دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

شمارہ: ۱۲	جمادی الثانی ۱۴۴۶ھ مطابق دسمبر ۲۰۲۴ء	جلد: ۱۰۸

مدیر	نگراں
مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند-۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
https://darululoom-deoband.com/urdumagazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
Vol. No. 108, Issue No. 12,Dec. 2024 दिसम्बर 2024
Published by Maulana Abul-Qasim Numani
Printed by Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
On Behalf of Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 30/=	Annual Subscription Rs. 300/=

Annual by Regd Post. Rs. 550/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۵۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۸۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۸۰۰ روپے

فہرست مضامین

حرف آغاز	انقلاب شام/امید کی کرن	محمد سلمان بجنوری	۳
تحقیقی مقالہ	اسلامی قانون کے سماجی پہلو اور عصری تقاضے	ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی	۴
اصلاح و رہنمائی	کسبِ معاش کی اہمیت اور اس کا اسلامی تصور	مفتی محمد راشد ڈسکوی	۱۶
//	اخلاقی محاسن آزادی کے ضامن	سلیم شاکر چنئی	۲۵
//	ایصالِ ثواب	پروفیسر محمد سلیم قاسمی	۳۴
ذکر رفتگاں	حضرت مولانا محمد انور بدخشانی رحمہ اللہ	مولانا محمد راشد شفیع	۴۱
تعارف کتب	سلاطین ہند کی دینی و مذہبی مساعی	ڈاکٹر عاصم نعیم	۴۵

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/550 روانہ فرمائیں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

انقلاب شام/امید کی کرن

محمد سلمان بجنوری

اس مہینہ؛ بلکہ اس سال کا شاید اہم ترین واقعہ، ملک شام میں کئی دہائیوں سے قائم، نظامِ جبر کا خاتمہ ہے، یہ نظام حافظ الاسد کے تسلط سے شروع ہوا تھا جو نُصیری فرقہ سے تعلق رکھتے تھے جو بالاتفاق مشرکانہ عقیدہ کا حامل ہے اور گزشتہ چوتھائی صدی سے اُن کے بیٹے بشارالاسد نے اس ظالمانہ نظام کو مسلط کررکھا تھا اور جس کو اپنی تمام تر ظالمانہ پالیسیوں اور غیرانسانی حرکتوں کے باوجود، ایران اوراس کے حامیوں کی حمایت حاصل تھی۔ یہ نظام ایک اندرونی مسلح جدوجہد کے نتیجے میں اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔

اگرہم اس واقعہ کا جائزہ اکیسویں صدی کی اس چوتھائی کے تناظر میں لینا چاہیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ اس صدی کے آغاز ہی میں نائن الیون کا واقعہ پیش آیا اوراس کے بعد اسلامی دنیا کے لیے مشکلات وانقلابات کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ سب سے پہلے افغانستان، پھرعراق اوراس کے بعد کئی اسلامی ممالک کا نظام تہ وبالا کیا گیا، عالم اسلام کے مختلف خطوں پر شورشیں بڑھتی گئیں، مسئلہ فلسطین کا حل، مشکل تر ہوتا گیا، اسرائیل کے مظالم نے نئے ریکارڈ قائم کیے اور غزہ کے مجاہدین نے قربانی کی ایک نئی تاریخ رقم کی اور مغرب کی پالیسی یا منصوبہ کے مطابق، اسلامی دنیا مسلسل جنگ کا میدان بنی رہی، اس وسیع اور طویل منظرنامہ میں اگر امید کی کرن کسی واقعہ کو کہا جاسکتا ہے تو وہ افغانستان میں نئی اسلامی حکومت کے قیام کے بعد یہی شام کا واقعہ ہے، جس میں بشارالاسد کو اپنے اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑا ہے۔

لیکن گزشتہ سوبرس سے عالم اسلام کے تمام بڑے فیصلے جس طرح غیروں کے اختیار میں رہے ہیں، اس کے پیش نظر موجودہ تبدیلی کے نتائج کے لیے بھی شاید انتظار کرنا ہوگا، کہ یہ ہمارے لیے کس چیز کا پیغام ثابت ہوتے ہیں، ابھی تک تو اہل نظر یہی کہتے چلے آرہے ہیں کہ۔

نہ جانے کون سی آنکھیں وہ خواب دیکھیں گی
وہ ایک خواب کہ ہم جس کے انتظار میں ہیں

اسلامی قانون کے سماجی پہلو اور عصری تقاضے

(۲/۲)

از: ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی
شعبۂ سنی دینیات، اے۔ایم۔یو۔علی گڑھ۔

فقہاء نے عرف کو جو حیثیت دی ہے اس کی چند مثالیں پیش ہیں:

۱- العادة محكمة۔(۴۴)

یعنی عادت فیصلہ کن چیز ہے۔(فقہاء کے نزدیک عرف اور عادت ایک ہی معنی میں مستعمل ہے)۔

۲- الثابت بالعرف كالثابت بالنص۔(۴۵)

''یعنی جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ نص سے ثابت ہونے کی مانند ہے''۔

۳- اتعين بالعرف كالتعين بالنص۔(۴۶)

''جو عرف سے متعین ہو جائے اس کا تعین نص سے ثابت سمجھا جائے گا''۔

۴- ومن لم يدر بعرف اهل زمانه جاهل۔(۴۷)

''جو زمانہ کے عرف سے ناواقف ہوں وہ جاہل ہے''۔

یعنی جو رواج وعادات معاشرہ میں رواج پاتی ہے، شریعت بھی اسے تسلیم کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر سماج میں کچھ طور طریقے ہوتے ہیں، شریعت ان طور طریقوں کو بلا وجہ نہیں روکتی ہے، ہاں اس کی اصلاح ضرور کرتی ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے لکھا ہے کہ عرف وعادت کی بنا پر تغیر احکام عدول نہیں ہے۔یعنی عدول کا تعلق ان مسائل سے ہے جن میں مجتہد کی رائے دلائل وبراہین پر مبنی ہو، اگر کوئی رائے زمانے کے عرف اور مصالح پر مبنی ہو اور عادات واحوال بدل جانے کی وجہ سے احکام میں تغیر کو قبول کیا گیا ہو تو وہ عدول ہے ہی نہیں؛ بلکہ یہ دراصل اصحاب مذہب ہی منشاء ومذاق اور فکر ومزاج کی رعایت کی پیروی سے عبارت ہے، موصوف نے اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں متقدمین فقہاء کی مستند کتب سے چند اقتباسات نقل کیے ہیں ذیل میں راقم ان کا ترجمہ پیش

کرتا ہے؛ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی نے اس بابت لکھا ہے:

''ضرورت کی بنا پر شرک کی کیچڑ سے درگزر، بیع وفار، استصناع، پینے کی مقدار بتائے بغیر مشکیزہ سے پینا، ٹھہرنے کی مدت اور پانی کے استعمال کی مقدار بتائے بغیر حمام میں داخل ہونا، بلا وزن کیے ہوئے روٹی اور گوندھے ہوئے آٹے کا قرض لینا وغیرہ، ان احکام میں سے ہے، جو عرف پر مبنی ہے، اشباہ میں اس نوع کے بہت سارے مسائل مذکور ہیں، تو ان سب میں تغیر زمان کے باعث احکام میں تغیر ہوا ہے یا تو ضرورت کی بنا پر یا عرف کی بنا پر اور یا قرائن احوال کی وجہ سے، ان تمام صورتوں میں مذہب سے خروج نہیں ہوا ہے؛ اس لیے کہ اگر اس زمانہ میں صاحب مذہب موجود ہوتے تو وہ بھی یہی کہتے اور اگر عرف واحوال کا تغیر ان کے زمانہ میں پیش آیا ہوتا تو انھوں نے بھی اس کے خلاف نہیں کیا ہوتا''۔

اسی طرح مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اپنی کتاب جدید فقہی مسائل میں دوسرا اقتباس ابن عابدین کی کتاب رسائل ابن عابدین سے نقل کیا ہے:

''بہت سے احکام زمانہ کی تبدیلی سے تبدیل ہوجاتے ہیں؛ کیونکہ لوگوں کا عرف بدل جاتا ہے، کئی ضرورتیں پیدا ہوتی ہیں، اخلاقی مفاسد در آتے ہیں، ان حالات میں اگر پہلے ہی حکم کو باقی رکھا جائے تو یہ لوگوں کے لیے مشقت اور ضرر کا باعث ہوگا اور شریعت کے ان بنیادی قواعد کے مغائر ہوگا جو تخفیف، آسانی اور ضرر وفساد کے دور کرنے پر مبنی ہے تاکہ دنیا صحیح نظام اور بہتر طریقے پر قائم رہے اس لیے تم دیکھتے ہو کہ مشائخ نے بہت سے مواقع پر مجتہد کی رائے سے اختلاف کیا ہے جو انھوں نے اپنے زمانہ میں اختیار کی تھی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر امام مجتہد اس زمانہ میں ہوتے تو وہی کہتے جو یہ مشائخ قواعد ومذہب سے استفادہ کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں''۔

اس کی مناسبت سے ایک اور اقتباس مالکی مذہب کے نامور فقیہ علامہ قرافی کی کتاب ''الاحکام فی تمیز الفتاویٰ'' سے نقل کیا ہے:

''جن احکام کی اساس عرف وعادت پر ہو ان میں عرف کے تغیر کے باوجود انھیں احکام کو باقی رکھنا اجماع کے خلاف ہے، اور دین میں جہالت ہے، شریعت کے وہ تمام احکام جو عرف وعادت پر مبنی ہوں، عرف کے تغیر کے بعد نئے تقاضوں کے مطابق تبدیل ہوجائیں گے، یہ مقلدین کی طرف سے نیا اجتہاد نہیں کہ اس میں اجتہاد کی اہلیت مطلوب ہو؛ بلکہ یہ ایک ایسا قاعدہ ہے جو اہلِ علم کے ''اجتہاد'' کا نتیجہ ہے اور اس پر ان کا اجماع واتفاق ہے، ہم کسی نئے اجتہاد کے بغیر اس میں ان کی

پیروی کرر ہے ہیں''۔(۴۸)

عصری مسائل کے اصول

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں کہ جدید اور مسائل کی تحقیق و دریافت کے لیے درج ذیل تین باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱- جن نو پید مسائل کی بابت قرآن وحدیث کی صراحت نہیں ملتی اور گزشتہ فقہاء واہل علم کا اجتہاد بھی اس باب میں خاموش ہے،ان پر دین کے اصول وقواعد کی تطبیق کی جائے، یہ بھی ایک طرح کا اجتہاد ہے جو''تحقیق مناط'' کہلاتا ہے،اجتہاد کے تین مرحلے ہیں، پہلا مرحلہ یہ ہے کہ کتاب وسنت کے کسی صریح حکم میں غور کیا جائے کہ اس میں وہ کیا باتیں پائی جاتی ہیں جو کسی درجہ میں اس حکم کا سبب بن سکتی ہیں۔اسے''تخریج مناط'' کہتے ہیں، دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ایسے مختلف اسباب میں وہ سبب متعین کیا جائے جو واقعی اس حکم کی وجہ قرار دی جاسکتی ہے، یہ''تنقیح مناط'' سے تعبیر ہوتا ہے، آگے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے امام ابواسحٰق شاطبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اجتہاد کی پہلی دونوں صورتوں کا دروازہ تو بند ہو چکا ہے۔

البتہ تیسری صورت یعنی''تحقیقِ مناط'' کا سلسلہ قیامت تک رہے گا۔(۴۹) چنانچہ ابواسحٰق شاطبی نے اپنی کتاب الموافقات فی اصول الشریعۃ میں لکھا ہے:

الاجتهاد على ضربين احدهما لايمكن ان ينقطع حتى يتقطع اصل التكليف وذالك عند الساعة والثانى يمكن ان يتقطع قبل فناء الدنيا فاماالاول فهوالاجتهاد المتعلق بتحقيق المناط وهوالذى لاخلاف بين الائمة فى قبوله.

''اجتہاد کی دو قسمیں ہیں،ایک وہ جو اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کہ انسان احکام شرعیہ کا مخاطب ہے،یعنی قیام قیامت تک، دوسری وہ جو دنیا کے ختم ہونے سے پہلے ختم ہوسکتی ہے،پہلی قسم سے مراد وہ اجتہاد ہے، جو تحقیق مناط سے متعلق ہو، یہ اس کی وہ قسم ہے جس کے قبول کیے جانے میں کسی کا اختلاف نہیں''۔

۲- ذرائع مواصلات کی ترقی، بین ملکی روابط،ملکوں کے فاصلوں میں کمی، کاروبار ومعاملات میں تنوع اور نئی مشینی ایجادات کے استعمال میں بڑھتے ہوئے امکانی خطرات نے بعض ایسے کاروباری نظام کو وجود بخشا ہے، جو ماضی میں نہیں تھا، یا اس درجہ منظم اور وسیع ڈھانچہ نہیں رکھتا تھا، مثلاً بینک کا نظام، خطرات سے پر صنعتوں اور کاروباروں کے لیے انشورنس، بین الاقوامی مالیاتی اداروں کا قیام

وغیرہ۔ ان کو محض یہ کہہ کر ختم کر دینا کافی نہیں کہ اس میں سود اور قمار ہے، یا فلاں خلاف شرع بات ہے؛ بلکہ ضروری ہے کہ کتاب وسنت کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس کا اسلامی متبادل تلاش کیا جائے، اس کے بغیر ہم شریعت اسلامی کی ابدیت اور ہر عہد میں اس کی افادیت ونافعیت اور بدلتے ہوئے حالات میں اس کی رہنمائی کی صلاحیت ثابت نہیں کرسکیں گے ہمیں غیر اسلامی عناصر سے پاک کر کے اس کے مثبت اور مفید پہلوؤں کو نیا ڈھانچہ اور قالب دینا ہوگا''۔

۳- جن مسائل میں فقہ حنفی پر عمل میں واقعی حرج وتنگی ہو، اجتماعی ضرورت کو سامنے رکھ کر دوسرے دبستان فقہ سے جزوی استفادہ کیا جائے، جیسا کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے البحر المحیط کا یہ اقتباس نقل کیا ہے:

الثالثه ان يقصد بتقليده الرخصة فى ماهومحتاج اليه لحاجة لحقته اوضرورة ارهقته فيجوزايضاً الا ان يعتقد رجحان مذهب امامه ويقصدتقليد الاعلم فيمتنع وهوصعب والاولىٰ الجواز.(۵۰)

''تیسری شرط یہ ہے کہ وہ رخصت کی پیروی ایسی صورت میں کر رہا ہو جس میں وہ کسی پیش آمدہ حاجت یا ضرورت کی وجہ سے اس کا محتاج ہو تو یہ صورت بھی جائز ہے، سوائے اس کے کہ وہ اپنے امام کے مذہب کے راجح ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو، اور نیت عالم تر فقیہ کی تقلید کی ہو، تو ایسی صورت میں دوسرے فقیہ کے یہاں موجود رخصت کی پیروی جائز نہ ہوگی یہ مشکل ہے اور صحیح تر رائے یہ ہے کہ اس صورت میں بھی جائز ہے''۔

اسلامی قانون اور جدید مسائل

عہد حاضر میں جدید مسائل کی بے شمار تعداد ہے، سب کا احاطہ کرنا یہاں مقصود نہیں ہے؛ بلکہ یہ بتانا ہے کہ اسلامی قانون میں عصری مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے، عصری مسائل پر باقاعدہ کتب آچکی ہیں جیسے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی ''جدید فقہی مسائل'' مولانا تقی امین کی ''اسلامی شریعت میں حالات وزمانہ کی رعایت''۔

عورت کی انتخابی سیاست میں شرکت

ہندوستان یا اس طرح کے دیگر معاشروں میں ہمیشہ یہ مسئلہ اٹھایا جاتا رہا ہے کہ خواتین کو انتخابی سیاست میں حصہ لینا چاہیے یا نہیں، اس بابت فقہاء کی آراء میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن شیخ راشد نے اپنی کتاب المرأة بين القرآن الكريم وواقع المسلمين میں کئی علماء کے (ڈاکٹر عبداللہ

دراز،سید قطب محمد الغزالی اور علامہ یوسف القرضاوی) کے افکار کا خلاصہ پیش کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مسلمان عورت کو سیاست میں حصہ لینا چاہیے اور اس کے مناصب حکومت پر فائز ہونے میں کوئی حکم شرعی مانع نہیں ہے اور ان مناصب میں صدر کا عہدہ بھی شامل ہے۔(۵۱)

مولانا اشرف علی تھانوی کی اس سلسلہ میں رائے یہ ہے کہ:

حکومت کی تین اقسام ہیں ان کے مطابق حکومت کی پہلی قسم شخصی حکومت ہے جس پر عورت حکمران ہو، دوسری قسم کی مثال وہ حکومت ہے جس میں عورت کسی جماعت کی منتظم بلاشرکت ہو، تیسری قسم کی حکومت جمہوری سلطنت کی ہے، جس میں عورت کی حیثیت محض رکن شوریٰ کی ہے۔

۲- دوسرا مسئلہ موجودہ دور میں یہ انتہائی اہم ہے کہ مسلمان مرد اہل کتاب عورت سے نکاح کرسکتا ہے؛ جب کہ مسلمان عورت اہل کتاب مرد سے نکاح نہیں کرسکتی، یہ طے شدہ شریعت کا اصول ہے؛ مگر وہ ممالک جہاں اکثریت اہل کتاب کی ہے تو ایسے ممالک میں دشواری پیش آتی ہے، ایسے مواقع کے حوالے سے شیخ یوسف القرضاوی نے لکھا ہے کہ:

''اہل کتاب میاں بیوی میں سے اگر بیوی مسلمان ہوجائے، اور بیوی کو یہ بھی توقع ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کا شوہر مسلمان ہوجائے گا تو وہ اس نکاح میں باقی رہے گی؛ البتہ اسے چاہیے کہ شوہر کے اسلام لانے تک اس سے مباشرت نہ کرے''۔(۵۲)

البتہ مقاصد شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان عورت کو اس سے بچایا جائے اور ایسی عورتیں امریکی معاشرے میں بے شمار ہیں، اگر ان سے کہا جائے کہ اگر تم اسلام قبول کروگی تو تمہیں شوہر چھوڑنا پڑے گا اولاد کو چھوڑنا پڑیگا تو اس کا کوئی شوہر نہ ہوگا کہ کوئی اس کے اخراجات پورے کرنے والا نہ ہوگا۔ اب اس صورت حال میں وہ عورت اپنے اور اپنے بال بچوں کے سلسلہ میں کیا راستہ اختیار کرے گی؟ بیشتر عورتیں یا تو اسلام قبول کرکے مرتد ہوجائیں گی۔ یا اسلام قبول ہی نہیں کریں گی۔ ہم اس فتویٰ کے ذریعہ بندگان خدا کو اللہ کے دین سے روکنے والے ہوں گے۔(۵۳)

۳- تیسرا مسئلہ عموماً سماج میں یہ گشت کرتا رہتا ہے کہ غیرمسلم اکثریتی ممالک میں مسلمان شہریوں کے لیے ملکی فوج میں ملازمت کرنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ اس موضوع پر بہت کچھ علماء نے لکھا ہے کہ ان کی آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ زیادہ تر فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ فوج یا اُس کے مماثل دیگر ملازمتوں میں مسلم شہریوں کو ملازمت کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ پروفیسر نجات اللہ صدیقی نے اپنے ایک مقالہ میں لکھا ہے کہ:

''موجودحالات میں یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ غیرمسلم اکثریتی ملک کے مسلم شہری اپنے ملک کی فوج میں شامل ہوں اور جملہ فرائض انجام دیں'' (۵۴)

۴- صدقۂ فطر کی نقد کی شکل میں ادائیگی کے حوالہ سے شیخ یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب ''كيف تتعامل مع السنة النبوية'' میں لکھا ہے کہ بعض اوقات سنت کے ظاہری الفاظ کی پابندی سنت کی روح اور اس کے مقصد کے منافی ہوتی ہے، اس کی ایک مثال بعض لوگوں کا صدقۂ فطر نقد کی صورت میں ادا نہ کرنے پر اصرار ہے؛ جب کہ ایسا کرنے کی اجازت امام ابوحنیفہؒ اور ان کی اصحاب کے علاوہ عمر بن عبدالعزیزؒ اور بعض دیگر فقہاء کے یہاں ملتی ہے۔ شدت اختیار کرنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ رسول ﷺ نے بعض متعین اجناس مثلاً منقیٰ، گیہوں اور جو کا نام لیا تھا لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنی رائے سے سنت کی مخالفت نہ کریں اور وہی کریں جو ہمیں کرنے کو کہا گیا ہے، درحقیقت یہ لوگ نبی ﷺ کی مخالفت کررہے ہیں اگر چہ وہ بظاہر وہ آپ ﷺ کے حکم پر عمل پیرا ہیں۔

میرا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے سنت کے جسم کو پکڑ رکھا ہے اور اس کی روح کو بھلا دیا ہے؛ جب کہ رسولؐ تو زمانہ احوال وظروف کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے صدقۃ الفطر کی ادائیگی کے لیے ان اجناس کا تعین کیا، جو آپؐ کے پاس لائی جاتی تھی اور ان کے لینے اور دینے میں آسانی تھی۔ جب صورت حال بدل جانے اجناس مذکورہ آسانی سے میسر نہ ہوں اور نقد آسانی سے دستیاب ہو اور محتاجوں کو اپنے اہل وعیال کے لیے بھی اجناس مذکورہ کے علاوہ دوسری چیزوں کی ضرورت ہو۔ تو نقد کی صورت میں صدقہ دینے والے اور لینے والے دونوں کے لیے زیادہ مفید اور آسان ہے۔ (۵۵)

۵- جلاٹین کا استعمال۔ عصری مسائل میں یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے کہ جلاٹین کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ سب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جلاٹین کی تعریف بیان کردی جائے، اس کے بارے میں ماہرین نے لکھا ہے کہ:

جلاٹین حیوانی پروٹین مادہ ہے جس کے اندر جیلی یعنی گاڑھی لیس دار مادہ بنانے کی خاصیت ہوتی ہے، یہ ابتدائی طور پر غذا کی مصنوعات اور گھروں میں بنائے پکوانوں میں استعمال ہوتی ہے۔ (۵۶)

اس کے متعلق فقہاء کی رائے یہ ہے کہ:

''احناف کی نزدیک اگر خنزیر کے اجزا سے بنا ہوا عنصر کیمیائی تجزیہ سے اپنی پوری حقیقت بدل دے اور دوسری شکل اختیار کرے تو اس کی حرمت اور نجاست کا حکم بھی ختم ہوجائے گا اور اگر اس کی اصل شکل اور حقیقت باقی رہ جائے تو نجاست وحرمت کا حکم بھی باقی رہے گا؛ اس لیے کہ طہارت

وحرمت کے حکم کے بدل جانے میں حقیقت بدل جانا ہی اثر انداز ہوتا ہے''۔(۵۷)

اس بابت دوسری رائے یہ ہے کہ جلاٹین جب حرام چیزوں سے حاصل کی جائے جیسے خنزیر یا اس کے کچھ اجزا سے جیسے اس کی جلد اور اس کی ہڈی وغیرہ تو وہ حرام ہے۔(۵۸) دونوں آرا، کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مفتی تقی عثمانی کی رائے (پہلی رائے) زیادہ معتبر اور قابلِ قبول ہے۔

اسلامی قانون کے سماجی پہلو:

دین اسلام کے سماجی اور تمدنی اصولوں کو جاننے کے لیے لازمی ہے کہ قبل از اسلام، عرب کے معاشرتی احوال سے واقفیت حاصل کی جائے؛ کیوں کہ عربوں کے تمدن پر اسلام کی آمد کے بعد واضح اثرات مرتب وا جاگر ہوئے۔ شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ:

ان کنت ترید النظرفی معانی شریعة رسول اللّٰہ ﷺ نتحقق اولاً حال الامیین الذین بعث فیھم التی ھی مادة تشریعة وثانیاً کیفیة اصلاحه لھا بالمقاصد المذکورة فی باب التشریع والتیسیر واحکام اللّٰہ۔(۵۹)

''اگر تم اسلامی شریعت کے مقاصد میں غور وفکر کرنا چاہتے ہو تو پہلے ان امی لوگوں کے حالات کا تحقیقی مطالعہ کرو جن میں رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے؛ کیوں کہ یہی حالات ہی تشریعی مادہ ہیں۔ پھر ان حالات کی اصلاح کی اس کیفیت کو تحقیقی نظر سے جانچو جو تشریع تیسیر اور احکام کے مذکورہ مقاصد کی اساس ہے''۔

اسلامی تمدن ومعاشرہ میں وحی الٰہی کو اولین مقام حاصل ہے، لہٰذا قانون سازی کے لیے انسانی کاوشوں کو ضمنی حیثیت حاصل ہے؛ چنانچہ مقدمہ ابن خلدون میں مذکور ہے:

''جب معاشرہ فطرت اور دفاعی ضروریات کے پیش نظر اجتماعیت کے اس موڑ تک پہنچ جاتا ہے کہ مل جل کر رہے تو اب آپس میں اختلاف ابھرنا شروع ہوتے ہیں اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ بغیر کسی قانونی قاعدے کے معاشرے اپنے فطری تقاضے پورے نہیں کر سکتا؛ لہٰذا یہاں سے حکومت و ریاست کی احتیاج محسوس ہوتی ہے۔ جو افراد کو ان کی چیرہ دستیوں سے باز رکھے اور حق وعدل قائم کرے''۔(۶۰)

مذکورہ شواہد وحقائق کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے کہ مسلم علما، اسکالرس اور فقہاء نے ابتداء سے ہی اسلام کا مطالعہ بحیثیت مذہب، دستور اور عمرانی وسماجی نظام کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قانون اسلامی میں عبادات سے لے کر قانون اور سماجی تمام احکام بخوبی ملتے ہیں۔

عدل اجتماعی

إِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِیْتَاءِ ذِیْ الْقُرْبَی (سورہ نحل:۹۰)

''بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں''۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَی أَہْلِہَا وَإِذَا حَکَمْتُم بَیْنَ النَّاسِ أَن تَحْکُمُواْ بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُم بِہِ إِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعاً بَصِیْراً (سورہ نساء:۵۸)

''بے شک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتا ہے کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو اور یہ کہ جب لوگوں کا تصفیہ کیا کرو تو عدل سے تصفیہ کیا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ جس بات کی تم کو نصیحت کرتے ہیں وہ بات بہت اچھی ہے بلا شک اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں خوب دیکھتے ہیں''۔

عدل کے سلسلہ میں حدیث میں آتا ہے:

ان المقسطین عند اللّٰہ علی منابر من نور عن یمین الرحمن عزوجل و کلتا یدیہ یمین، الذین یعدلون فی حکمھم واھلیھم وماولوا![۶۱]

''عدل وانصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دایاں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں اپنے اہل وعیال اور اپنی رعایا کے ساتھ عدل وانصاف سے کام لیں گے''۔

عدل کے اس وسیع اور جامع تصور کو شریعت میں اس طرح بھی پیش کیا گیا ہے کہ کسی بھی دینی مسئلہ میں اکثریت کی خواہش کا احترام بھی کیا جائے اور اسلامی قانون میں با قاعدہ حسن سلوک کی تلقین کی گئی ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْ إِسْرَائِیْلَ لاَ تَعْبُدُونَ إِلاَّ اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَیْنِ إِحْسَاناً وَذِیْ الْقُرْبَی وَالْیَتَامَی وَالْمَسَاکِیْنِ وَقُولُواْ لِلنَّاسِ حُسْناً (سورہ بقرہ:۸۳)

''اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب لیا ہم نے (توریت میں) قول وقرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت مت کرنا (کسی کی) بجز اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گزاری کرنا اور اہل قرابت کو بھی اور بے باپ بچوں کو بھی اور غریب محتاجوں کو بھی اور عام لوگوں سے اچھی طرح (خوش خلقی سے) کہنا''۔

دوسری جگہ مروی ہے:

الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ فِيْ السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (سورہ آل عمران:۱۳۴)

''ایسے لوگ جوکہ خرچ کرنے میں فراغت میں اور تنگی میں اورغصہ کے ضبط کرنے والے اورلوگوں سے درگزر کرنے والےاوراللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں کومحبوب رکھتا ہے''۔

اسلامی قانون میں سماجی رسم ورواج کی رعایت

محمد ﷺ جس معاشرے میں مبعوث ہوئے تھے، آپ ﷺ نے اس معاشرے میں ان تمام رسم ورواج کو باقی رکھا جو قانون اسلامی یا شریعت مطہرہ سے متصادم نہیں تھے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپ ﷺ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں لوگوں کو دیکھا کہ انھوں نے کچھ دن اپنے اپنے خوشی کے مخصوص کیے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ ان دونوں کی تمہارے یہاں کیا اہمیت ہے تو ان لوگوں نے کہا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم ان دنوں میں کھیلتے کودتے اورجشن مناتے تھے، چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے:

کان لاھل الجاھلیة یومان فی کل سنة یلعبون فیھما فلماقدم النبی ﷺ المدینة قال کان لکم یومان تلعبو فیھما وقد ابدلکم اللّٰہ بھماخیراً منھما یوم الفطر ویوم الاضحی.(۶۲)

''دورجاہلیت کے لوگوں کے لیے سال میں دودن تھے جن میں وہ کھیلتے کودتے تھے، جب محمد ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے لیے دودن تھے جن میں تم کھیلا کودا کرتے تھے، اب اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان کے بجائے دو اچھے دن دے دیئے ہیں، ایک عیدالفطر کا دن اورایک عیدالاضحیٰ کادن''۔

اس طرح ایک دوسری روایت میں مروی ہے کہ:

وقالت عائشة رأیت النبی ﷺ یسترنی وانا انظر الی الحبشة وھم یلعبون فی المسجد فزجرھم عمَرَ فقال النبی ﷺ دعھم امناً نبی ارفدة من الامن.(۶۳)

''میں نبی ﷺ کے پیچھے چھپ کرحبشیوں کی طرف دیکھ رہی تھی اوروہ مسجد میں (جنگی کھیل) کھیل رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے انھیں ڈانٹا تو آپؐ نے فرمایا تو ان کو پرامن چھوڑ دے (یعنی کھیلنے دے)''

اہل مدینہ خوشی اورمسرت کے مواقع پرقابل باتوں سے ایک دوسرے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے اورفخر وقابل شجاعت باتوں کواشعار میں پڑھتے تھے انھیں رسوم کی بنا پرایک موقع پراشعار پڑھنے

شروع کر دیئے تو ان کو ایام عید کی وجہ سے منع فرمایا:

ان ابابکر رضی اللّٰہ عنه دخل علیها وعندها جاریتان فی ایام منیً تغنیان وتدفّفان وتضربان والنبی ﷺ متغش بثوبه فانتهرهماابوبکر فکشف النبیﷺ عن وجهه فقال دعهمایا ابابکرفانها ایام عیدوتلك الایام ایام منیً.(۶۴)

”حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور ان کے پاس ایام منیٰ میں دو لڑکیاں تھیں جو دف بجا کر گا رہی تھیں اور نبی ﷺ اپنے بدن پر کپڑا ڈھانپے ہوئے تھے تو ابوبکرؓ نے ان دونوں کو ڈانٹا، نبی ﷺ نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا کہ اے ابوبکر ان دونوں کو چھوڑ دو اس لیے کہ یہ عید کے دن ہیں اور یہ دن منی کے ہیں“۔

اسلامی قانون میں دینی مسئلہ اور سماجی رعایت

محمد ﷺ اپنے اصحاب کی دعوت وتبلیغ کے میدان میں رہنمائی اور تربیت واصلاح کرتے ہوئے، اکثریت کا لحاظ رکھتے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کو بغیر وقفہ سے وعظ ونصیحت کو منع کر دیا تھا؛ کیوں کہ مسلسل وعظ ونصیحت سے طبیعت اکتا جاتی ہے؛ اس لیے صحابۂ کرامؓ پر آپؐ کی نصیحت کا اثر کافی ہوا، اور صحابۂ کرامؓ وعظ ونصیحت کرتے وقت اس بات کا خاصا خیال رکھتے تھے کہ کہیں عوام میں اکتاہٹ پیدا نہ ہو جائے۔

کنا ننتظر عبد اللّٰہ اذ جاء یزید ابن معاویه فقلنا الاتجلس قال لا ولکن ادخل فاخرج الیکم صاحبکم والاجئت انافجلست فخرج عبد اللّٰہ وهوآخذبیده فقام علینا فقال اما انی اخبر بمکانکم ولکنه یمنعنی من الخروج الیکم ان رسول اللّٰہ ﷺ کان یتخولنا بالموعظة فی الایام کراهیة السامة علینا.(۶۵)

”ہم لوگ عبداللہ بن مسعودؓ کا انتظار کر رہے تھے کہ یزید بن معاویہ آئے، ہم نے کہا کیا تم نہیں بیٹھوگے؟ انھوں نے کہا: نہیں بلکہ میں اندر جاتا ہوں اور تمہارے پاس تمہارے ساتھی کو لے آتا ہوں، ورنہ میں آؤں گا اور بیٹھ جاؤں گا؛ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ نکلے اور وہ یزید بن معاویہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، وہ ہم لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں یہاں تم لوگوں کی موجودگی سے باخبر تھا؛ لیکن مجھے جس جس چیز نے باہر نکلنے سے روکا وہ صرف یہ خیال تھا کہ نبی ﷺ وعظ کہنے میں اس بات کا لحاظ رکھتے تھے کہ ہمیں ہمارے اکتانے کا سبب نہ بن جائے“۔

عبادت کی ادائیگی میں بھی آپؐ اکثریت کا لحاظ فرماتے تھے، نیز صحابۂ کرامؓ کو بھی اس کا حکم

دیتے تھے کہ وہ عبادت کے وقت اکثریت کا ضرور خیال رکھیں؛ چنانچہ حضرت ابومسعودؓ سے مروی ہے:

ان رجلاً قال واللہ یارسول اللہ ﷺ انی لاتاخر عن صلاۃ الغداۃ من اجل فلان مما یطیل بنافما رأیت رسول اللہ ﷺ فی موعظۃ اشدّ عضباً منہ یومئذٍ ثم قال انّ منکم منفرین فایکم ماصلی اللہ بالناس فلیتجوز، فان فیھم الضعیف والکبیر واذاالحاجۃ۔(۶۶)

''ایک شخص نے کہا رسول اللہ ﷺ سے قسم اللہ کی میں صبح کی نماز سے فلاں شخص کی وجہ سے رہ جاتا ہوں؛ کیونکہ وہ نماز میں طول دیتا ہے، پس میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی نصیحت کے وقت اس دن سے زیادہ غصہ میں نہیں دیکھا، اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کچھ لوگ آدمیوں کو عبادت سے نفرت دلاتے ہیں، لہٰذا جو شخص تم میں سے لوگوں کو نماز پڑھائے سو اس کو ہلکی نماز پڑھانا چاہیے؛ کیونکہ مقتدیوں میں ضعیف اور بوڑھے اور صاحب حاجت سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں''۔

آخر میں یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی قانون میں سماجی تقاضوں، عصری اسلوب وآداب اور حالات زمانہ کی پوری پوری رعایت رکھی گئی ہے۔ شریعت کا مقصد بنی نوع انسان کو آسانیاں اور سہولتیں فراہم کرنا ہے نہ کہ مشقت وتنگی میں ڈالنا؛ لہٰذا آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کی تعبیر وتشریح عصری اور سماجی ومعاشرتی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی کرنی چاہیے۔ جتنا توسع اور فراخی اسلام میں موجود ہے۔ اتنی گنجائش نہ تو دنیا کے کسی قانون میں موجود ہے اور نہ ہی کوئی تہذیب ومذہب اس کی ضمانت دے سکتا ہے۔

﴿حوالے وحواشی﴾

(۴۴) سیوطی، جلال الدین سیوطی، الاشباہ والنظائر، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۱ھ، ج۱، ص۷۹

(۴۵) محمد عمیم الاحسان، قواعد الفقہ، صدف پبلشرز کراچی، ۱۴۰۷ھ، ج۱، ص۴۷

(۴۶) الزحیلی، محمد مصطفیٰ، القواعد الفقهية و تطبيقاتها في المذاهب الاربعہ، دارالفکر، دمشق، ۱۴۲۷ھ، ج۱، ص۳۴۵

(۴۷) ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابد بن دمشقی، ردالمحتار علی الدرالمختار، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ، ج۳، ص۶۰۲

(۴۸) جدید فقہی مسائل، ج۱، ص۴۰-۴۳

(۴۹) اس طرح کے اجتہاد کی ضرورت دنیا کے ان بعض جدید نظاموں اور طریقوں کے لیے ہوگی جو خاص ہمارے دور کی پیداوار ہیں، مثلاً سیاسی بیعت کا تصور اسلام میں موجود ہے، کیا موجودہ زمانہ میں بعض تبدیلیوں کے ساتھ، الیکشن کے ووٹ اس کو پورا کرسکتے ہیں؟ یہ قابلِ غور ہے، ریلوے ٹکٹ، ''اجارہ کا وثیقہ'' بینک کی بعض صورتوں پر سود کا اطلاق ہوگا، انشورنش کی بعض اسکیمیں ''قمار'' اور جوئے میں داخل ہوں گی، الکوحل نشہ ہونے کی بنا پر حرام ہوگا، ٹیسٹ ٹیوب سے بچوں کی پیدائش اور ان کے نسب کے ثبوت کا مسئلہ فیملی پلاننگ کے لیے ''عزل'' اسقاطِ حمل۔ اختصار اور حمل کی صلاحیت ضائع کرنے کے موجب دیت ہونے کے احکام کو نظیر بنانا یہ سارے احکام اور اس نوعیت کے دوسرے احکام کے حل کے لیے اسی ''تحقیق مناط'' کی ضرورت پیش آئے گی۔

(۵۰) دیکھئے تفصیل، جدید فقہی مسائل، ج۱ص ۳۶-۳۸
(۵۱) غواش،راشد،المرأة بين القرآن الكريم و واقع المسلمين،مطبع مركز الرايه،للتنمية الفكريه جده ۲۰۰۵ء ص۲۰۶
(۵۲) القرار،۳/۱،المجلس الاروبی لافتاء والبحوث،ومنعقده جولائی ۲۰۱۱ء
(۵۳) مقاصد شریعت تعارف اور تطبیق، ایفا پبلی کیشنز، جامعہ نگرنئی دہلی،۲۰۰۴ء ص ۳۵
(۵۴) صدیقی، نجات اللہ۔(پروفیسر) مقاصد شریعت ایک عصری مطالعہ،فکرونظر، اسلام آباد،ص۲۱،ج۴۱ ،شمارہ۴، اپریل-جون ۲۰۰۴ء
(۵۵) قرضاوی، یوسف، کیف تتعامل مع السنة النبوية،ص۱۳
(۵۶) جلاٹین کولاجیں College سے حاصل ہوتی ہے کولاجین جانوروں اور ہڈیوں میں پایا جانے والا قدرتی پروٹین ہوتا ہے جیسے جانوروں کی موٹی کھال، پتلی کھال، ہڈیوں، اورنسلوں کو الکلی یا تیزاب میں کافی وقت تک بھگونے اور پھر اس کو ابالنے کے بعد حاصل کیا جاتا ہے۔
(۵۷) عثمانی، محمد تقی، بحوث فى قضايا فقهية معاصره، مطبع دارالقلم دمشق،۱۴۲۴ھ، ج۱،ص ۳۴۳
(۵۸) اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء، فتاوىٰ اللجنة الدائمه، المجموعة الاولىٰ، جمع وترتيب احمد بن عبدالرزاق الدرويش، ج۲۲،ص۲۶۰
(۵۹) شاہ ولی اللہ، بن عبدالرحیم دہلوی، حجۃ اللہ البالغۃ، مطبع مصر،۱۳۲۲ھ، ج۱،ص ۲۳۳
(۶۰) ابن خلدون، ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد، مقدمہ ابن خلدون، الفیصل تاجران وناشران کتب لاہور،۲۰۰۵ء، ج۱،ص ۶۷
(۶۱) صحيح المسلم، كتاب الامارة، باب فضيلة الامام وعقوبة الجائز ولحث على الرفق
(۶۲) سنن نسائى، كتاب صلاة العيدين، باب الخروج الى العيدين من لغد
(۶۳) صحيح البخارى، كتاب المناقب، باب قصة الحبش النبى ﷺ
(۶۴) ايضاً، كتاب العيدين، باب اذافاتة العيديصلى ركعتين
(۶۵) الصحيح البخارى، كتاب العلم، باب ماكان النبىﷺ يتخولهم بالموعظة والعلم كى لايكون
(۶۶) الصحيح المسلم، كتاب الصلاة، باب امرالائمة به تخفيف الصلاة فى تمام

❋ ❋ ❋

کسبِ معاش کی اہمیت اور اس کا اسلامی تصور

از: مفتی محمد راشد ڈسکوی
دارالافتاء جامع مسجد اشتیاق، ڈسکہ، سیالکوٹ

قیامت تک آنے والے ہر ہر فرد کی کامل رہبری کے لیے اللہ رب العزت کی طرف سے جس معزز و مکرم ہستی کو مبعوث کرنا متعین ہوا، وہ ایسی کامل و اکمل ہستی تھی، جس کی ذات وصفات میں ہر راہنمائی لینے والے کے لیے ہمہ جہت اور ہمہ وقت رہنمائی کا سامان موجود تھا، سید الانبیاء، رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو سب سے آخر میں بھیج کر، قیامت تک کے لیے آنجناب کے سر پر تمام جہانوں کی سرداری و نبوت کا تاج رکھ کر اعلان کر دیا گیا کہ: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ۲۱] اے دنیا بھر میں بسنے والے انسانو! اپنی زندگی کو بہتر سے بہتر اور پُرسکون بنانا چاہتے ہو تو تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی مبارک ہستی میں بہترین نمونہ موجود ہے، ان سے راہنمائی حاصل کرو اور دنیا و آخرت کی ابدی خوشیوں اور نعمتوں کو اپنا مقدر بناؤ، گویا کہ اس اعلان میں دنیا میں بسنے والے ہر ہر انسان کو دعوتِ عام دی گئی ہے کہ جہاں ہو، جس شعبے میں ہو، جس قسم کی راہنمائی چاہتے ہو، جس وقت چاہتے ہو، تمہیں مایوسی نہ ہوگی، تمہیں تمہاری مطلوبہ چیز سے متعلق مکمل راہنمائی ملے گی، شرط یہ ہے کہ تم میں طلبِ صادق ہونی چاہیے، چنانچہ! تاجر ہو یا کاشتکار، شریک ہو یا مضارب، مزدور ہو یا کوئی بھی محنت کش، ماں ہو یا باپ، بیٹا ہو یا بیٹی، میاں ہو یا بیوی، مسافر ہو یا مقیم، صحت مند ہو یا مریض، شہری ہو یا دیہاتی، پڑھا لکھا ہو یا اَن پڑھ؛ اگر وہ چاہے کہ میرے لیے میرے شعبے میں راہنمائی ملے، تو اس کے لیے جنابِ رسول اللہ ﷺ کی مبارک ہستی میں نمونہ موجود ہے، مذکورہ آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے سامنے جنابِ رسول اللہ ﷺ کو لا کھڑا کیا ہے کہ میرے اس محبوب کو دیکھو، تمہیں ہر چیز ملے گی، اپنے سے متعلق روشنی حاصل کرو اور اس پر عمل پیرا ہو کر اللہ کے محبوب بن جاؤ، تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کی تشریح میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ

لکھتے ہیں: ”هَذِهِ الآيَةُ الْكَرِيمَةُ أَصْلٌ كَبِيرٌ فِي التَّأَسِّي بِرَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ وَأَحْوَالِهِ“.[تفسير ابن كثير، (سورة الأحزاب: ۳۱)، ۶/۳۹۱] کہ یہ آیت کریمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال کی اتباع کرنے میں بہت بڑی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علماء امت نے امتِ محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوات کی آسانی اور سہولت کی خاطر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیان کردہ حیاتِ انسانی کے ہر ہر پہلو کو پوری طرح واضح کرنے کے لیے خوب سے خوب محنت کی، بے شمار کتب تصنیف کیں، تاکہ کوئی بھی شخص اپنے شعبے سے متعلق جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیمات کو دیکھنا چاہے تو اسے بغیر دقّت کے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات معلوم ہوسکیں، جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر حق بھی ہے، اور محبت کا تقاضا بھی، اور یہ بات بھی پوری طرح واضح رہنی چاہیے کہ یہ حق اور تقاضا صرف ماہِ ربیع الاول کے پہلے بارہ دن یا پورے مہینے کے لیے ہی نہیں؛ بلکہ پوری زندگی اور زندگی کے ہر ہر لمحے کے لیے ہے۔

ان سطور سے مقصود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے تجارت کے پہلو سے متعلق تعلیمات، تجارت کے فضائل اور اہمیت کے اوپر کچھ بات کی جائے گی۔

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود نبوت مل جانے کے بعد حصولِ معاش کے لیے کچھ کیا یا نہیں؟ اس بارے میں بالاتفاق قولِ فیصل یہ ہے کہ بعثت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محنت اور توجہ صرف اور صرف احیائے دینِ متین کی طرف مبذول کردی تھی، بعثت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی قسم کی معاشی مشغولیت کا ثبوت نہیں ملتا ہے، البتہ! دین کے دیگر شعبوں کی طرف راہنمائی کرنے کی طرح انسانوں کے سامنے اس شعبے کی بھی بہت واضح اور تفصیلی انداز میں راہنمائی کی، اس میدان سے کامیابی کے ساتھ گذر جانے والوں کو جہاں بہت بڑی بڑی بشارتیں سنائیں تو وہاں اس میدان کے چور، ڈاکوؤں اور خائنوں کو وعیدیں سنا سنا کر انہیں واپس راہِ راست کی طرف لوٹ آنے کی طرف بھی متوجہ کیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کا جائزہ لیا جائے تو عبادت کے احکام اور معاملات کے احکام میں ایک اور تین کی نسبت نظر آئے گی، یعنی: عبادات سے متعلق احکام ایک چوتھائی اور معاملات سے متعلق احکام تین چوتھائی ملیں گے، چنانچہ! کتبِ فقہ میں اہم ترین کتاب ”ہدایہ“ کو دیکھ لیا جائے کہ اس کی چار ضخیم جلدوں میں سے صرف ایک جلد عبادات کے بارے میں ہے اور تین جلدیں معاملات کے بارے میں ہیں، اسی سے شعبہ معاملات کی اہمیت کا اندازہ کرلیا جائے۔

ایک غلط ذہن کی اصلاح

موجودہ دور میں ایک دین دار طبقہ کم عقلی اور بے دینی کی وجہ سے یہ ذہن رکھتا ہے کہ محنت کرنے اور کمانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تو رزق دینے میں ہماری محنت کے محتاج نہیں ہیں، وہ ایسے بھی دینے پر قادر ہیں، لہٰذا ہمیں کچھ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم تو اعمال کے ذریعے اللہ سے لیں گے، اسباب کے ذریعے نہیں۔

تو اس بارے میں اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ ایک ہے: اسباب کا اختیار کرنا اور انہیں استعمال کرنا، اور ایک ہے: ان اسباب کو دل میں اتارنا، اور ان پر یقین رکھنا؛ پہلی چیز کو اپنانا محمود اور مطلوب ہے، اور دوسری چیز کو اپنانا مذموم ہے، ہماری محنت کا رُخ یہ ہونا چاہیے کہ ہم ان اَسباب کی محبت اور یقین دل سے نکالیں، اور اس کے برعکس یقین اللہ تعالیٰ پر رکھیں، کہ ہماری ہر طرح کی ضروریات پوری کرنے والی ذات؛ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، وہ چاہے تو اَسباب کے ذریعے ہماری حاجات وضروریات پوری کر دے اور چاہے تو ان اسباب کے بغیر محض اپنی قدرت سے ہماری ضروریات وحاجات پوری کر دے، وہ اس پر پوری طرح قادر اور خود مختار ہے۔ البتہ! ہم اس دارالاسباب میں اَسباب اختیار کرنے کے پابند ہیں، تاکہ بوقتِ حاجت وضرورت ہماری نگاہ وتوجہ غیراللہ کی طرف نہ اٹھ جائے۔

اس بات میں تو کوئی شک وشبہ ہے ہی نہیں کہ اللہ رب العزت ہماری محنتوں کے محتاج نہیں ہیں، لیکن کیا شریعت کا مزاج اور منشا بھی یہ ہی ہے کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں؟! بالخصوص جبکہ، اس ترکِ اسباب کا نتیجہ یہ نکلتا ہو کہ بیوی، بچوں اور والدین کے حقوق تلف ہوتے ہیں اور یہ غیروں کے اموال کی طرف حرص وہوس کے ساتھ دیکھتا رہتا ہے، تو یاد رکھیں کہ اس طرح کے لوگوں کو شریعت اس طرزِ عمل کی تعلیم نہیں دیتی، بلکہ سیرتِ نبوی اور سیرتِ صحابہ تو حلال طریقے سے کسبِ معاش کی تعلیم دیتی ہے، ایسے بے شمار واقعات ہیں جن سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنا کما کے کھاؤ، دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔

✻ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: ''**كَانَ أَهْلُ الْيَمَنِ يَحُجُّونَ وَلَا يَتَزَوَّدُونَ وَيَقُولُونَ: نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُونَ، فَإِذَا قَدِمُوا مَكَّةَ سَأَلُوا النَّاسَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى: ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى** [البقرة:۱۹۷]﴾[صحيح البخاري، الرقم: ۱۵۲۳] ترجمہ: کہ یمن کے لوگ راستہ کا خرچ ساتھ لائے بغیر حج کے لیے آجاتے تھے۔ کہتے تو یہ

تھے کہ ہم توکل کرتے ہیں لیکن جب مکہ آتے تو لوگوں سے مانگنے لگتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور توشہ لے لیا کرو کہ سب سے بہتر توشہ تو تقویٰ ہی ہے۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں جو آیت شریفہ ذکر کی گئی اس میں تقویٰ سے مراد: مانگنے سے بچنا اور اپنے مصارفِ سفر کا خود انتظام کرنا مراد ہے اور یہ بھی کہ اس سفر سے بھی زیادہ اہم سفر آخرت درپیش ہے، اس کا توشہ بھی تقویٰ پرہیزگاری گناہوں سے بچنا اور پاک زندگی گزارنا ہے۔

قَالَ الْمُهَلَّبُ فِيْ هَذَا الْحَدِيثِ: مِنَ الْفِقْهِ؛ أَنَّ تَرْكَ السُّؤَالِ مِنَ التَّقْوٰى، وَيُؤَيِّدُهُ أَنَّ اللّٰهَ مَدَحَ مَنْ لَمْ يَسْأَلِ النَّاسَ إِلْحَافًا، فَإِنَّ قَوْلَهُ: ﴿فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ أَيْ: تَزَوَّدُوْا، وَاتَّقُوْا أَذَى النَّاسِ بِسُؤَالِكُمْ إِيَّاهُمْ وَالإِثْمَ فِي ذٰلِكَ (فتح)

یعنی: امام مہلبؒ نے فرمایا: کہ اس حدیث سے یہ سمجھا گیا کہ سوال نہ کرنا تقویٰ سے ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ پاک نے اس شخص کی تعریف کی ہے جو لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتا۔

﴿خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ کا مطلب یہ کہ ساتھ میں توشہ لو، اور سوال کر کر کے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اور سوال کرنے کے گناہ سے بچو۔ مانگنے والا متوکل نہیں ہوسکتا، حقیقی توکل یہی ہے کہ کسی سے بھی کسی چیز میں مدد نہ مانگی جائے اور اسباب مہیا ہونے کے ساتھ اَسباب سے قطع نظر کرنا یہ توکل سے ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اونٹ والے سے فرمایا تھا کہ اسے مضبوط باندھ پھر اللہ پر بھروسہ رکھ۔

خلاصہ یہ ہوا کہ تقویٰ تک پہنچنے کا راستہ سوال سے بچنا ہے، اور سوال سے بچنا اس وقت ہوسکے گا جب وہ کمائی کرنے والا ہوگا، اور کمائی سے مراد حلال کمائی ہے، نہ کہ حرام کمائی۔

کسب معاش میں محنت کی حیثیت

کسبِ معاش میں محنت کو خاص اہمیت حاصل ہے، خود محنت کر کے کمانے کو سراہا گیا ہے؛ چناں چہ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے:

* حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ، خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَام، كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ**''. [صحيح البخاري، الرقم: ۲۰۷۲] ترجمہ: ''کسی انسان نے اس شخص سے بہتر روزی نہیں کھائی، جو خود اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتا ہے، اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے

ہاتھ سے کام کرکے روزی کھایا کرتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کی بہترین کمائی وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے کی جائے، جناب رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں سیدنا داود علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور اسے کسب ید کے بہتر اور پاکیزہ ہونے کی دلیل بنایا، حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے بیان کیا ہے کہ وہ زرہیں بناتے تھے، وہ اگر چہ ان کے محتاج نہیں تھے کیونکہ وہ زمین میں اللہ کے خلیفہ تھے، تاہم انھوں نے کھانے پینے اور گھر کے گزراوقات کے لیے افضل اور بہتر طریقہ اختیار فرمایا۔

* حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نبی اکرم ﷺ کے پاس مانگنے کے لیے آیا، آپ نے پوچھا: ''أَمَا فِيْ بَيْتِكَ شَيْءٌ''؟ قَالَ: بَلٰى، حِلْسٌ؛ نَلْبَسُ بَعْضَهُ وَنَبْسُطُ بَعْضَهُ، وَقَعْبٌ؛ نَشْرَبُ فِيهِ مِنَ الْمَاءِ، قَالَ: ''ائْتِنِيْ بِهِمَا''، قَالَ: فَأَتَاهُ بِهِمَا فَأَخَذَهُمَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهِ، وَقَالَ: ''مَنْ يَشْتَرِيْ هٰذَيْنِ''؟ قَالَ رَجُلٌ: أَنَا آخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ، قَالَ: ''مَنْ يَزِيدُ عَلٰى دِرْهَمٍ؟''، مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، قَالَ رَجُلٌ: أَنَا آخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ، فَأَعْطَاهُمَا إِيَّاهُ، وَأَخَذَ الدِّرْهَمَيْنِ وَأَعْطَاهُمَا الْأَنْصَارِيَّ، وَقَالَ: ''اشْتَرِ بِأَحَدِهِمَا طَعَامًا، فَانْبِذْهُ إِلٰى أَهْلِكَ، وَاشْتَرِ بِالْآخَرِ قَدُومًا فَأْتِنِيْ بِهِ''، فَأَتَاهُ بِهِ، فَشَدَّ فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عُوْدًا بِيَدِهِ، ثُمَّ قَالَ لَهُ: ''اذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ وَلَا أَرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا''، فَذَهَبَ الرَّجُلُ، يَحْتَطِبُ وَيَبِيعُ، فَجَاءَ وَقَدْ أَصَابَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ، فَاشْتَرٰى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا وَبِبَعْضِهَا طَعَامًا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ''هٰذَا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تَجِيْءَ الْمَسْأَلَةُ نُكْتَةً فِيْ وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَصْلُحُ إِلَّا لِثَلَاثَةٍ: لِذِيْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ، أَوْ لِذِيْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ، أَوْ لِذِيْ دَمٍ مُوجِعٍ''[سنن النسائي، الرقم: ١٦٤١]. ترجمہ: ''کیا تمہارے گھر میں کچھ نہیں ہے؟''، بولا: کیوں نہیں، ایک کمبل ہے، جس میں سے ہم کچھ اوڑھتے ہیں اور کچھ بچھا لیتے ہیں، اور ایک پیالا ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ دونوں میرے پاس لے آؤ''، چنانچہ وہ انہیں آپ کے پاس لے آیا، رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: ''یہ دونوں کون خریدے گا؟''، ایک آدمی بولا: انہیں میں ایک درہم میں خرید لیتا ہوں، آپ ﷺ نے پوچھا: ''ایک درہم سے زیادہ کون دے رہا ہے؟''، دو بار یا تین بار، تو ایک شخص بولا: میں انہیں دو درہم میں خریدتا ہوں، آپ ﷺ نے اسے وہ دونوں چیزیں دے دیں اور اس سے درہم لے کر انصاری کو دے دیئے اور فرمایا: ''ان میں

سے ایک درہم کا غلہ خرید کر اپنے گھر میں ڈال دو اور ایک درہم کی کلہاڑی لے آؤ''، وہ کلہاڑی لے کر آیا تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس میں ایک لکڑی ٹھونک دی اور فرمایا: ''جاؤ لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور بیچو اور پندرہ دن تک میں تمہیں یہاں نہ دیکھوں''، چنانچہ وہ شخص گیا، لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور بیچتا رہا، پھر آیا اور دس درہم کما چکا تھا، اس نے کچھ کا کپڑا خریدا اور کچھ کا غلہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تمہارے لیے بہتر ہے اس سے کہ قیامت کے دن مانگنے کی وجہ سے تمہارے چہرے میں کوئی داغ ہو، مانگنا صرف تین قسم کے لوگوں کے لیے درست ہے: ایک تو وہ جو نہایت محتاج ہو، خاک میں لوٹتا ہو، دوسرے وہ جس کے سر پر گھبرا دینے والے بھاری قرضے کا بوجھ ہو، تیسرے وہ جس پر خون کی دیت لازم ہو اور وہ دیت ادا نہ کرسکتا ہو اور اس کے لیے وہ سوال کرے''۔

* حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''**لَأَنْ يَغْدُوَ أَحَدُكُمْ فَيَحْتَطِبَ عَلَى ظَهْرِهِ فَيَتَصَدَّقَ مِنْهُ فَيَسْتَغْنِيَ بِهِ عَنِ النَّاسِ، خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ رَجُلًا أَعْطَاهُ أَوْ مَنَعَهُ ذَلِكَ، فَإِنَّ الْيَدَ الْعُلْيَا أَفْضَلُ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ**''. [سنن الترمذي، الرقم: ٦٨٠] ترجمہ: ''تم میں سے کوئی شخص صبح سویرے جائے اور لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر رکھ کر لائے اور اس میں سے (یعنی: اس کی قیمت میں سے) صدقہ کرے اور اس طرح لوگوں سے بے نیاز رہے (یعنی ان سے نہ مانگے) اس کے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے مانگے، وہ اسے دے یا نہ دے، کیونکہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے، اور پہلے اسے دو جس کی تم خود کفالت کرتے ہو''۔

* احادیث مبارکہ میں حلال کمانے کو فریضہ سے تعبیر کیا گیا ہے؛ چناں چہ! حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ**''. [السنن الكبرىٰ للبيهقي، الرقم: ١١٦٩٥] ترجمہ: ''حلال روزی کمانا فرائض (لازمہ) کے بعد فریضہ ہے''۔

* احادیث مبارکہ میں کسب معاش کے دوران پیش آنے والی پریشانیوں کو (مخصوص) گناہوں کا کفارہ قرار دیا ہے؛ چناں چہ! حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**اِنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ ذُنُوْبًا، لَا تُكَفِّرُهَا الصَّلٰوةُ وَلَا الصِّيَامُ وَلَا الْحَجُّ وَلَا الْعُمْرَةُ، قَالُوْا: فَمَا يُكَفِّرُهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟! قَالَ: اَلْهُمُوْمُ فِيْ طَلَبِ الْمَعِيْشَةِ**''. [مجمع الزوائد، الرقم: ٦٢٣٩] ترجمہ: ''گناہوں میں سے بعض گناہ ایسے

ہیں، جنھیں نہ نماز معاف کرواتی ہے، نہ ہی روزہ اور نہ حج وعمرہ معاف کراتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر انھیں کون سی چیز معاف کرواتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کا کفارہ کسبِ معاش میں پیش آنے والی پریشانیاں ہیں''۔

* خود جناب نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ خود محنت فرما کر اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے روزی کماتے، خود کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے تھے، قبل از نبوت ایک سے زائد تجارتی اسفار شام اور یمن کی طرف اختیار فرمائے۔

الغرض! حضورِ اکرم ﷺ کی مبارک اور پاکیزہ تعلیمات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے محنت کر کے حلال روزی کمانا شریعت میں محمود اور مطلوب ہے۔

اور یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ کسب معاش کے نتیجے میں حاصل ہونے والی تونگری و مالداری کی وجہ سے آج کے دور میں ہمارا دین وایمان محفوظ رہے گا، ورنہ اندیشہ ہے کہ اختیاری فقر وفاقہ کہیں کفر وشرک کے قریب ہی نہ لے جائے۔ ہاں! اولیاء اللہ اور یقین وتوکل کے اعلیٰ درجہ پر فائز لوگوں کا معاملہ اور ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کی ایک زریں نصیحت

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''كانَ الْمالُ فِيما مَضىٰ يُكرَه، فأمَّا الْيَومَ فهُو تُرْسُ المُؤمِنِ، وقال: لو لا هٰذهِ الدَّنانِيرُ لتَمَنْدَلَ بنا هؤلآء المُلوكُ، وقال: مَن كانَ فِيْ يدِهِ مِن هٰذهِ شيئٌ فليُصلِحْهُ، فإنّه زَمانٌ إنِ احْتاجَ كانَ أوّلَ مَنْ يَبْذُلُ دِينَهُ''.

[حلية الأولياء، طبقات الأصفياء، سفيان الثوري، ٦/ ٣٨١] ترجمہ:''گذشتہ زمانہ میں مال کو بُرا سمجھا جاتا تھا؛ لیکن جہاں تک آج کے زمانہ کا تعلق ہے تو اب مال ودولت مسلمانوں کی ڈھال ہے، حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر یہ درہم ودینار اور روپیہ پیسہ نہ ہوتا تو یہ سلاطین وامراء ہمیں بے دست وپا بنا کر ذلیل وپامال کر ڈالتے، نیز! انہوں نے فرمایا: کسی شخص کے پاس اگر تھوڑا بہت بھی مال ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کی اصلاح کرے، کیوں کہ ہمارا یہ زمانہ ایسا ہے کہ اس میں اگر کوئی محتاج ومفلس ہوگا تو اپنے دین کو اپنے ہاتھ سے گنوانے والا سب سے پہلا شخص وہی ہوگا۔

توضیحات شرح مشکاۃ المصابیح میں لکھا ہے: ''فيما مضى يكره''، یعنی پچھلے زمانہ میں مال ودولت کو ناپسند کیا جاتا تھا، مؤمن اور متقی حضرات مال کو مکروہ سمجھتے تھے؛ کیوں کہ عام ماحول زہد وتقویٰ

کا تھا، لوگ غریب وفقیر کو ذلیل وحقیر نہیں سمجھتے تھے، مالی کمزوری کی وجہ سے اس کے ایمان کو تباہ نہیں کرتے تھے، نیز! بادشاہ اور حکمران بھی اچھے ہوتے تھے، جو غریب کو سنبھالا دیتے تھے، اس لیے لوگ مال و دولت اکٹھا نہیں کرتے تھے اور اکٹھا کرنے کو معیوب سمجھتے تھے، مگر اب معاملہ اس کے برعکس ہے کہ غریب وفقیر آدمی کو معاشرہ میں ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں اور پیسے کی بنیاد پر اس کے ایمان کو خریدا جاتا ہے، نیز! حکمران بھی خیر خواہ نہیں رہے، تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ غریب آدمی مال داروں اور حکمرانوں کا دستِ نگر بن جائے گا اور ان کے ہاتھ صاف کرنے اور میل کچیل صاف کرنے کے لیے تولیہ اور رومال بن جائے گا۔

پھر مزید لکھا ہے: جس شخص کے پاس اس مال میں سے کچھ بھی ہو وہ اس کی اصلاح کرے، مطلب یہ کہ تھوڑا پیسہ بھی ہو تو اس کو کسی کاروبار میں لگا دے، یہ اس کی ترقی و بڑھوتری ہے، یا پھر اصلاح کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قناعت کے ساتھ خرچ کرے، اسراف نہ کرے۔(۳۷۵/۷، مکتبہ عصریہ، کراچی)

کمائی کے ذرائع

کسب معاش کے بہت سے ذرائع ہیں، ان میں سے کون سا افضل ہے؟! اس کی تعیین میں سلف صالحین کا اختلاف ہے، اس بارے میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کی ایک بہترین کتاب ''فضائل تجارت'' سے خلاصۃً کچھ بحث ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میرے نزدیک کمائی کے ذرائع تین ہیں: تجارت، زراعت اور اجارہ۔ اور ہر ایک کے فضائل میں بہت کثرت سے احادیث ہیں، بعض حضرات نے صنعت وحرفت کو بھی اس میں شامل کیا ہے، جیسا کہ اوپر گذرا۔ میرے نزدیک وہ ذرائع آمدنی میں نہیں، اَسبابِ آمدنی میں ہے اور آمدنی کے اسباب بہت سے ہیں: ہبہ ہے، میراث ہے، صدقہ ہے، وغیرہ وغیرہ۔ جنہوں نے اس کو کمائی کے اسباب میں شمار کیا، میرے نزدیک صحیح نہیں، اس لیے کہ نرا صنعت وحرفت کمائی نہیں ہے، کیوں کہ اگر ایک شخص کو جوتے بنانے آتے ہیں یا جوتے بنانے کا پیشہ کرتا ہے، وہ جوتے بنا بنا کر کوٹھی بھر لے، اس سے کیا آمدنی ہوگی؟ یا تو اس کو بیچے گا یا (پھر یہ جوتے) کسی کا نوکر ہو کر اس کا (مال) بنائے۔ یہ دونوں طریقے تجارت یا اجارہ میں آ گئے اور اس سے بھی زیادہ قبیح ''جہاد'' کو کمائی کے اسباب میں شمار کرنا ہے، اس لیے کہ جہاد میں اگر کمائی کی نیت ہوگئی تو جہاد ہی باطل ہے.....الخ

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ میرے نزدیک تجارت افضل ہے، وہ بحیثیت پیشہ کے ہے، اس لیے کہ تجارت میں آدمی اپنے اوقات کا مالک ہوتا ہے، تعلیم وتعلّم، تبلیغ، افتاء وغیرہ کی خدمت بھی کرسکتا ہے، لہٰذا اگر اجارہ دینی کاموں کے لیے ہو تو وہ تجارت سے بھی افضل ہے، اس لیے کہ وہ واقعی دین کا کام ہے، مگر شرط یہ ہے کہ وہی دین کا کام مقصود ہو اور تنخواہ بدرجۂ مجبوری ہے۔

میرے اکابرِ دیوبند کا زیادہ معاملہ اسی کا رہا اور اس کا مدار اس پر ہے کہ کام کو اصل سمجھے اور تنخواہ کو اللہ کا عطیّہ، اس لیے اگر کسی جگہ پر کوئی دینی کام کر رہا ہو، تدریس، افتاء وغیرہ اور اس سے زیادہ کسی دوسرے مدرسہ میں تنخواہ ملے، تو پہلی جگہ کو محض کثرتِ تنخواہ کی وجہ سے نہ چھوڑے۔ میں نے جملہ اکابر کا یہ معمول بہت اہتمام سے ہمیشہ دیکھا، جس کو آپ بیتی نمبر۶، صفحہ ۱۵۵ میں لکھوا چکا ہوں کہ انہوں نے اپنی تنخواہوں کو ہمیشہ اپنی حیثیت سے زیادہ سمجھا..... درحقیقت میرے اکابر کے بہت سے واقعات اس کی تائید میں ہیں کہ تنخواہ کو وہ کبھی اصل یا معتد بہ چیز نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا میں نے اوپر لکھا اور تنخواہ کو محض عطیۂ الٰہی سمجھتے تھے، جو ہم لوگوں میں بالکل مفقود ہے، یہی وہ چیز ہے جس کی بنا پر میں نے اجارۂ تعلیم کو سب انواع سے افضل لکھا ہے۔......الخ

اس ملازمت کے بعد تجارت افضل ہے۔ اس لیے کہ تاجر اپنے اوقات کا حاکم ہوتا ہے، وہ تجارت کے ساتھ دوسرے دینی کام تعلیم، تدریس، تبلیغ وغیرہ بھی کرسکتا ہے''۔ [ملخص من فضائل تجارت، ص:۴۸-۲۷، مکتبۃ البشریٰ]

نیز! یہ بات ذہن میں رہے کہ تجارت، زراعت اور اجارہ کے بے شمار شعبہ جات ہیں، جن کا احاطہ کرنا اس مختصر تحریر نا ممکن ہے، البتہ! بعض چیدہ چیدہ اور ضروری شعبہ جات کا ذکر اور ان کا حکم آئندہ مجالس میں ذکر کیا جائے گا۔

* * *

اخلاقی محاسن آزادی کے ضامن

از: سلیم شاکر چنئی

اخلاقیات (Morality) انسانی زندگی کا بنیادی اور آزادی کا حق ہے۔اس میں نہ کسی رنگ، نہ کسی کی نسب، نہ کسی نسل کا دخل ہے۔ہاں! اجتماعی زندگی میں دوسرے انسان کے حقوق کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔اس بات کا دھیان رکھنا پڑتا ہے کہ اپنے حقوق کے لیے کسی دوسرے کا نقصان نہ کردیں۔

انسان اپنی شرمگاہ کو ڈھانپنے کے لیے لباس پہنتا ہے اور جنسی عمل کو پردے میں انجام دیتا ہے۔ انسان اپنی عفت مآبی کے لیے ہر وقت فکرمند رہتا ہے۔انسان کے ساتھ جنسی زیادتی ایک بڑا جرم تصور کی جاتی ہے۔لباس و پردہ کی ساری خصوصیات صرف انسان میں ہیں، جانور میں نہیں۔لباس اور پردہ انسان کے ساتھ خاص ہے۔تمام جانداروں میں صرف انسان ہے جو لباس استعمال کرتا ہے۔ انسان کا لباس کے بغیر گھومنا بے حیائی اور فحاشی کہلاتا ہے۔

گناہوں کے اسباب

آج کل کے فتنوں اور ارتداد کے کئی اسباب ہیں جن میں کچھ اہم حسب ذیل ہیں:

۱- قرآن سے دوری ہے۔یعنی ہمارے مسلمان قرآن کی تعلیمات سے غافل ہیں۔یہ تصور کیا جاتا ہے کہ قرآن کو پڑھنا اور سمجھانا مولویوں کا کام ہوتا ہے یقیناً یہ باطل سوچ ہے۔قرآن صرف اس وقت ہاتھ میں اٹھایا جاتا ہے جب گھر میں کسی کی موت ہوتی ہے، یا کوئی فاتحہ خوانی ہوتی ہے یا ماہ رمضان المبارک میں صرف حصولِ ثواب کی نیت ہوتی ہے۔بقیہ دنوں میں قرآن پر صرف دھول جمع ہوتی جاتی ہے اور جب بھی قرآن پڑھا جاتا ہے بغیر کوئی معنی مطلب سمجھے ہی پڑھا جاتا ہے۔

۲- غیرمسلموں کی تقلید: ایک ہی مکان میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں اور پڑوسی کی مروت میں ایک دوسرے کے رسومات میں شریک ہوتے رہتے ہیں۔لوگ عیسائیوں کے ساتھ

کرسمس مناتے ہیں، ہندوؤں کے ساتھ دیوالی یا ہولی مناتے ہیں، گجراتیوں کے ساتھ ڈانڈیا کھیلتے ہیں، پنجابیوں کے ساتھ بھانگڑا ڈانس کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور یہ عمل مسلمانوں کو اپنی شریعت سے غافل کردیتا ہے۔

۳- مغربی تقلید: اس کی وجہ سے مسلمان فیشن کی دنیا میں گھس گیا ہے۔ خصوصاً برقع ایسا فیشن بن گیا ہے وہ اتنا تنگ ہوگیا ہے کہ عورت کا جسم صاف ظاہر ہوتا ہے۔ بعض عورتیں برقع کو پھینک کر مغربی عورتوں کی طرح مختصر کپڑے پہننے لگی ہیں۔ اور اس فیشن میں اپنے آپ کو سوسائٹی میں خود کو بڑی معزز اور مقرب سمجھتی ہیں اور ڈوپٹہ تو صرف گلے کی زینت بن گیا ہے۔ یہ بے حیائی نہیں تو کیا ہے۔

۴- عورتیں ایسی خوشبو استعمال کرتی ہیں اور ایسے فیشن کرتی ہیں جو مردوں کی توجہ کو خواتین کی طرف کھینچتی چلی آتی ہے۔ یہ سب سے بڑی بے حیائی ہے۔ ایسی عورتوں پر لعنت برسائی گئی ہے۔

۵- عورتیں دفتروں میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں۔ مروت کی بنا پر ان سے ہنسی مذاق کرتی ہیں اور پارٹیوں میں اور ہوٹلوں میں کھانے پینے اور چائے پر یا پارٹیوں میں ان کے ساتھ شریک رہتی ہیں۔

۶- سونے پر سہاگہ یہ ہے کہ سوشیل میڈیا نے فحش لٹریچر، پورنوگرافی، اور پورن ویڈیوز کو ایک معمول بنادیا ہے اور اس کے ذریعے فحاشی کو سماج کا ایک معزز مقام بنادیا ہے؛ مگر دوسرے رخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان کا صحیح استعمال بے حد فوائد کا باعث ہے۔

۷- آج کل زنا اور فحاشی بہت سستی بنی ہوئی ہے، جب کہ ایک شادی بڑی مہنگی پڑتی ہے۔ شادی میں بے انتہا جہیز کی مانگ کی وجہ سے کئی غریب لڑکیاں کنواری بیٹھی ہیں۔ کلب وغیرہ میں فحاشی عروج پر ہے اور سرعام کی جاتی ہے۔ حکومت کی طرف سے پوری چھوٹ ہے۔

گناہوں کے سدباب

اسلام نے ان فحاشیوں کا ایک خوبصورت سدباب بنایا ہے، جیسا کہ سورہ احزاب کی آیت ۳۳ میں ارشاد باری تعالی ہے: وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (اور اپنے گھروں میں ٹکے رہو، اور سابقہ جاہلیت کے سے انداز اختیار نہ کرو۔ اور نماز کا اہتمام کرو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو۔ اللہ تو بس یہ چاہتا ہے۔ اے اہل بیت النبی! کہ تم سے آلودگی کو دور کرے اور تمہیں اچھی طرح پاک کرے)

پورا ہندوستان؛ بلکہ پوری دنیا اس فکر میں ڈوبی ہوئی ہے کہ آج کل اتنے گھناؤنے جرم ہورہے ہیں اور ہمارا سر شرم سے جھکا جارہا ہے۔ زنا، بدکاری، عصمت دری، قتل و غارت گری کے واقعات سے تمام اخبار ورسائل بھرے جارہے ہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورت کی عزت رات کے اندھیرے میں تارتار کی جارہی ہے اور اسے گھناؤنے انداز میں قتل کیا جارہا ہے اور وہ بھی اس عورت کے ساتھ جو خدمتِ خلق میں مشغول ہے۔ قانون تو اپنا کام کرے گا؛ مگر اس کے لیے بہت دیر ہوجائے گی۔ اللہ جانتا ہے کہ انصاف ملنے میں کتنا انتظار کرنا پڑے گا۔ اسلام نے ان فتنوں کا سدباب بڑی خوبصورت شکل میں پیش کیا ہے۔ اگر غیر مسلم یہ جان جائیں گے کہ اسلام میں عورت کی حفاظت کے کیا طریقے ہیں تو وہ حلقہ بگوش اسلام ہوجائیں گے۔ اسلام کے مقاصد میں ایک اہم مقصد عورت کی حفاظت ہے۔ آیئے اس پر غور کرتے ہیں!

مندرجہ بالا آیت کے شروع میں سب سے پہلا حکم عورت کے لیے یہ ہے کہ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوتِكُنّ یعنی عورت گھر میں ٹکی رہے؛ جب تک کوئی ضرورت نہ ہو گھر سے باہر نہ نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کی ساخت اس طرح بنائی ہے کہ وہ گھر میں رہ سکے۔ یہ حکم صرف عام عورتوں کو ہی نہیں؛ بلکہ ازواجِ مطہرات کے لیے بھی صادر کیا گیا ہے۔ عورت اپنے گھر کی دیکھ بھال کرے، اپنے بچوں کو سنبھالے، ان کی تربیت کرے، اپنے آبرو کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں اپنے مال و متاع کی حفاظت کرے۔ وغیرہ

دوسرا حکم یہ ہے: وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ یعنی جاہلیت کے زمانے کے بناؤ سنگھار نہ کرو اور اپنی زینت کو دوسروں کے سامنے نہ دکھاؤ، اسلام عورت کے بناؤ سنگھار پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔ عورت کا بناؤ سنگھار کرنا جائز ہے؛ مگر وہ اس کو صرف اپنے شوہر کے سامنے کھلا رکھے۔ اپنے باپ کے سامنے بھی حجاب سے رہے اور اپنے بھائی کے سامنے بھی حجاب سے رہے۔ اپنی زینت کو سوائے شوہر کے کسی اور کے سامنے نہ کھولے۔ دیور، جیٹھ یا کزن کے سامنے بے پردہ گھومنا بے حیائی کی انتہا ہے۔

اس کے علاوہ عورتوں کا خوشبو لگا کر مردوں کے پاس جانے سے منع کیا گیا ہے۔ نسائی اور ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: جو عورت خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے گزرتی ہے، تاکہ وہ خوشبو سے لطف اندوز ہوں، وہ زانی ہے۔

سورہ اعراف کی آیت ۳۳ میں فحاشی اور بے حیائی کو حرام قرار دیا گیا ہے، چاہے وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ، فرمایا گیا ہے: قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الفَوَاحِشَ مَا ظَهرَ مِنْهَا وَمَابَطَنَ (کہہ دو اللہ نے حرام

توبس بے حیائیوں کوٹھہرایا ہے خواہ وہ کھلی ہوں خواہ پوشیدہ)؛ بلکہ ہرقسم کے فحش کاموں کے قریب بھی بھٹکنے سے منع کیا ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوا الفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَابَطَنَ (اور بے حیائی کے کام خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ پھٹکنا) (سورہ الانعام ۱۵۱)۔ ہر فحش کام کی ترغیب شیطان دلاتا ہے، جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۶۸ میں ارشاد فرمایا گیا ہے: اَلشَّیطَانُ یَعِدُکُمُ الفَقْر وَیَأمُرُکُمْ بِالفَحْشَآءِ (شیطان تمہیں تنگ دستی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے)۔ اس لیے شیطان کے وسوسوں سے دور رہنے کی کوشش کریں اور اللہ سے اس کی پناہ مانگتے رہیں۔ جب بھی کوئی وسوسہ دماغ میں آئے تو فوراً اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم کا ورد کریں۔

تیسرا حکم یہ ہے کہ وَاَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ یعنی عورت اپنے گھر میں نماز کی پابندی کرے۔ فرض نمازوں کے ساتھ ساتھ نفل، تہجد، اشراق اور چاشت کی نمازوں کا بھی اہتمام کریں۔

چوتھا حکم ہے: وَاٰتِینَ الزَّکوٰۃَ یعنی زکوٰۃ ادا کرو۔ عورت اپنے سونے چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ دے۔ اسلام نے عورت کو اجازت دی ہے کہ اگر شوہر غریب ہو اور نان ونفقہ برداشت نہ کرسکتا ہو تو وہ اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے؛ مگر شوہر اپنی بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا؛ کیونکہ بیوی کا نان ونفقہ شوہر کی ذمہ داری ہے۔

پانچواں حکم ہے: وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَه یعنی اللہ اور رسول کے احکامات کی پابندی کرو۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ تو صرف اس وقت ممکن ہے جب عورت قرآن پڑھے، سمجھے، اس پر عمل کرے اور اپنے شوہر، بچوں، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کو اللہ کا پیغام پہنچائے۔ ساتھ ہی ساتھ احادیث اور اسلامی لٹریچر کا بھی مطالعہ کرے اور دینی مجالس میں جہاں عورتوں کا الگ سے انتظام ہو وہاں جائیں، تاکہ شریعت کی پابندی میں آسانی میسر ہو۔

چھٹا حکم ہے: وَاِذَا سَاَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوهُن مِنْ وَّرَآءِ حِجَاب ذٰلِکُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوبِکُم وَقُلُوبِهِنَّ (الاحزاب ۵۳) (اور جب تم کو ازواجِ نبیؐ سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگو۔ یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزہ ہے اور ان کے دلوں کے لیے بھی۔ جب کسی مرد کو عورت سے کچھ مانگنا ہو یا عورت کو مرد سے مانگنا ہو تو پردہ کے پیچھے سے مانگیں۔ اس طرح عورت کا دل پاک ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی بات کریں تو حجاب میں رہ کر بات کریں۔ حجاب کی آڑ میں جو بھی باتیں ہونگیں وہ صاف ہوں گی؛ لیکن اس بات کا لحاظ ضرور رکھیں کہ ضرورت سے زیادہ بات نہ ہو۔ اس آیت میں یہ حکم ازواج مطہرات کو دیا گیا تھا؛ مگر اصل مقصد تمام امتِ مسلمہ کی عورتوں کو اس فریضہ کی پابندی کا حکم دینا ہے، یہی اسلام کی تعلیم ہے۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا: تم عورتوں کے پاس جانے سے پرہیز کرو! ایک انصاری نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! دیور کا بھاوج کے ہاں تنہا جانا کیسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: دیور تو موت کی طرح مہلک اور تباہ کن ہے۔ (مسلم بن عقبہ بن عامر کتاب السلام، بخاری کتاب النکاح)

کچھ عورتیں جب دوکانوں پر جاتی ہیں تو خریداری کے وقت دوکاندار سے رعایت مانگتی ہیں۔ایسے میں وہ حد سے آگے بڑھ جاتی ہیں۔حد سے بڑھ کر کوئی بات کرنا اور ہنسی مذاق کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔

ساتواں حکم ہے: سورہ النور کی آیت ۳۱ میں ارشاد باری تعالی ہے: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَايُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ (اور مؤمنہ عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے اندیشہ کی جگہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی چیزوں کا اظہار نہ کریں؛ مگر جو ناگزیر طور پر ظاہر ہوجائے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں)

اللہ تعالی نے عورتوں کے ساتھ ساتھ مردوں کو بھی ان کی نظریں نیچی کرنے کا حکم دیا ہے: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ (مؤمنوں کو ہدایت کرو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی پردہ پوشی کریں، یہ طریقہ ان کے لیے پاکیزہ ہے)

امام ترمذیؒ نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن ام مکتومؓ نے نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔اس وقت آپؐ کے پاس آپؐ کی دو بیویاں حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ موجود تھیں۔آپؐ نے ان دونوں سے کہا کہ پردہ کرلو۔ان دونوں نے کہا کہ وہ تو نابینا ہیں۔ نبیؐ نے فرمایا کہ تم دونوں نابینا نہیں ہو! تم تو دیکھ سکتی ہو!

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے ساتھ حجرے میں محو گفتگو تھے۔اس وقت ام المؤمنین کی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ تشریف لائیں۔ وہ مہین کپڑے پہنی ہوئی تھیں اور ان کا جسم اندر سے دکھائی دے رہا تھا۔آپؐ نے اپنا چہرہ دوسری طرف موڑلیا اور حکم دیا کہ کپڑے بدل کرآؤ! اپنے جسم اپنے شوہر کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہیے!

ہماری خواتین برقع میں بھی فیشن نکال لیتی ہیں۔ برقع پر نقش ونگار ہوتے جس کی وجہ سے غیر مرد متوجہ ہوتے ہیں۔کبھی برقعہ اتنا تنگ ہوتا ہے کہ عورت کے اعضا صاف نظر آتے ہیں، ایسی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ کپڑے فیشن کی پہنتی ہیں اور لباس اتنا بارک ہوتا ہے کہ ان کا بدن واضح ہوجاتا ہے۔ان تمام سے اجتناب کرنا چاہیے۔ یہ مغربی تہذیب میں اونچی حیثیت کی خاتون کے آثار

ہیں؛ مگر اسلام ان کے برخلاف ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورتیں کپڑے پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں، لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں اور مردوں کی طرف متوجہ رہتی ہیں، ان کے سر بختی کے اونٹ کے ٹیڑھے کوہان کی طرح ہیں، وہ نہ تو جنت میں جائیں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی۔ (مسلم عن ابو ہریرہؓ کتاب اللباس، کتاب التوبۃ)۔ اس حدیث کی تشریح یہ ہے کہ عورت ستر چھپانے کے لیے کپڑے نہیں پہنتی؛ بلکہ وہ باریک یا چست لباس پہنتی ہیں جس میں ان کا بدن صاف طرح سے چھلک رہا ہو وہ جہنم میں جھونکی جائیں گی۔

حجاب یہ ہے کہ لباس موٹا ہو اور عورت کا پورا جسم ڈھانپا گیا ہو۔ اس پر جلابیب اوڑھا جائے۔ جلابیب، جلباب کی جمع ہے اور جلباب اس چادر کو کہتے ہیں جو لباس کے اوپر اوڑھی جاتی ہے اور یہ عام اوڑھنی سے بڑی ہوتی ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے اس سے مراد بڑی چادر لی ہے۔ یہ کپڑا ایسا بڑا ہو کہ پورے جسم کو ڈھانپ لے۔ حضرت ابن عباسؓ اور عبید سلمانیؒ کا خیال ہے کہ عورت اپنی چادر کو اس طرح لپیٹ لے کہ اس کے جسم میں سوائے ایک آنکھ کے جس سے دیکھنے کا کام لیا جائے اور کچھ نہ کھلا ہوا ہو۔

حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے زیادہ اس دنیا میں حیا والا کوئی نہیں۔ ان کی موت کے وقت انھیں یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ اگر جنازہ کھلا لے جایا گیا تو لوگوں کی نظر آپ پر پڑے گی۔ آپ نے حضرت اسماء بنت عمیسؓ جو حضرت ابوبکرؓ کی بیوی تھیں، ان سے فرمایا: اے بنت عمیس! آپ میری حالت دیکھتی ہیں؛ لیکن کھلے جنازہ میں تو حیادار عورت کا پردہ ٹھیک نہیں رہتا۔ میں اس سے بہت نفرت کرتی ہوں۔ اسماء بنت عمیسؓ اپنے پہلے خاوند کے ہمراہ حبشہ میں رہ چکی تھیں اور وہاں کے حالات سے بخوبی واقف تھیں۔ کہنے لگیں: اے بنتِ رسول! حبشہ میں عورتوں کا جنازہ لے جانے کا ایک طریقہ دیکھ آئی ہوں۔ آپ فرمائیں تو اس کا ایک نمونہ دکھاؤں؟ سیدہ کی اجازت پا کر اسماءؓ نے کھجور کی شاخیں لے کر ان کے کنارے موڑ کر نصف دائرے کی شکل میں بنایا اور ہر شاخ کے دونوں سرے چارپائی سے باندھ دیا۔ پھر ان پر کپڑا پھیلا دیا۔ اس سے ایک ڈولی پالکی کی شکل بن گئی جو بہت باپردہ تھی۔ سیدہ نے دیکھا تو بہت مسرور ہوئیں اور تبسم فرما کر فرمایا کہ میرا جنازہ ایسا ہی بنانا۔

آٹھواں حکم: اسلامی تعلیمات میں ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ عورت اکیلی سفر نہ کرے۔ اس کے ساتھ اس کا محرم ہونا چاہیے۔ محرم میں شوہر، باپ، بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی اور بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کے بیٹے، خسر، ، نانا، ماموں، دادا، پردادا، نانا، سسر کا باپ، رضائی بیٹا، رضائی بھائی، رضائی بھانجہ، رضائی بھتیجا اور داماد شامل ہیں۔ کچھ عورتیں اپنے دیور یا جیٹھ یا کسی کزن کے

ساتھ موٹرسائیکل یا اس کوٹر پر یا کار میں باہر گھومتی ہیں۔ یہ سراسر گناہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: جو عورت اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو وہ ایک دن اور ایک رات بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔

اسلام میں یہ بھی حکم ہے کہ کسی لڑکی کی شادی اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ باپ اس کا ولی ہوتا ہے۔ اگر باپ نہ ہو تو خاندان کا سربراہ ولی بنے گا۔ عورت کا نکاح وقت پر ہوجانا چاہیے، ورنہ گناہ کے راستے کھلنے کا اندیشہ ہوتے ہیں۔ جیسے ہی لڑکی بلوغت کو پہنچ جائے اس کی شادی کر دینی چاہیے۔ جو لڑکیاں ماں باپ سے خفا ہو کر اور کسی کے عشق میں مبتلا ہو کر گھر سے بھاگ کر شادی کر لیتی ہیں، وہ بڑی بے حیائی کا کام کرتی ہیں۔

ایک بہت ہی شرمناک بات یہ دیکھی گئی ہے کہ کچھ گھروں میں لڑکی سن بلوغت کو پہنچ چکی ہوتی ہے؛ لیکن اسے قرآن پڑھانے کے لیے جو استاد آتا ہے، وہ غیر محرم مرد ہے۔ والدین سے پوچھیں گے تو جواب ملے گا کہ بچی ابھی چھوٹی ہے؛ مگر یہ سراسر غلط ہے۔ اس میں حجاب کا نام ونشان نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ کچھ خواتین کی دینی مجالس میں جو مقرر رہوتا ہے وہ مرد ہوتا ہے۔ وہ ان تمام عورتوں کے سامنے بیٹھ کر تقریر کرتا ہے یا وعظ کرتا ہے۔ یہ بھی ایک غیر شرعی عمل ہے۔ ایسے معاملات میں عورت مقرر یا استانی کا تقرر کریں!

اسلام نے زانی مرد اور زانیہ عورت کے لیے سخت قانون بنایا ہے جس کا ذکر سورہ النور کی دوسری آیت میں آتا ہے: اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللّٰهِ اِنْ كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ (زانی عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور اللہ کے قانون کی تنفید کے معاملے میں ان کے ساتھ کوئی نرمی تمھیں دامن گیر نہ ہونے پائے اگر تم اللہ اور روز آخر پر سچا ایمان رکھتے ہو اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ موجود ہو)

بکثرت معتبر روایات سے سے ثابت ہے کہ نبیؐ نے نہ صرف قولاً اس کی سزا رجم (سنگساری) فرمائی ہے؛ بلکہ آپؐ نے عملاً متعدد مقامات پر یہی سزا نافذ کی ہے۔ پھر آپؐ کے بعد چاروں خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دور میں یہی سزا نافذ کی ہے اور اسی کے قانونی سزا کا بار بار اعلان کیا۔

جہاں تک سوشیل میڈیا کا مسئلہ ہے، ان کا صحیح استعمال انسان کے علم کے لیے بے حد مفید ہے۔ جیسے ویڈیوز پر قرآن کی تلاوت سننا، کسی عالم کی تقریر یا وعظ کو سننا یا دین کی معلومات حاصل کرنا بے حد مفید ہیں۔ ان کے استعمال سے اور اس کو دوسروں کے ساتھ شیئر کرنے سے سننے کا ثواب بھی

ملے گا اور جو لوگ آپ کے شیئر کیے ہوئے معلومات استعمال کریں گے ان کو بھی ثواب ملے گا اور آپ کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اگر آپ نے کوئی فلمی مکالمہ یا فحش تصویریں یا پورن کی معلومات کسی کو شیئر کریں گے تو اس کا گناہ بھی آپ کو ملے گا اور آپ کے شیئر کیے ہوئے فاحشات کو استعمال کرے گا اس کا گناہ بھی آپ کے ذمہ ہوگا۔

میں اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تمام امت مسلمہ کو تمام آفات نا گہانی سے محفوظ رکھے خصوصاً عورتوں کی عزت وآبرو کی حفاظت فرمائے، تمام امتِ مسلمہ کے دلوں میں دین کے جذبات کو ابھارے اور دشمنانِ اسلام کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچائے! آمین

ان مسائل کا حل

۱- اپنے بچوں کو خصوصاً بچیوں کو سب سے پہلے دینِ اسلام کی تعلیم دیں اور انھیں شریعت اسلامیہ کے قوانین سے آراستہ کریں!

۲- اپنے بچوں کی تربیت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ برتیں اور ان پر کڑی نظر رکھیں؛ تاکہ وہ دین سے منحرف نہ ہوں۔

۳- اپنے بچوں اور بچیوں کو حتی المقدر مخلوط اسکول یا کالج میں داخلہ دلانے سے گریز کریں! ان کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے رہیں۔

۴- خواتین صرف ایسی جگہ ملازمت تلاش کریں جہاں صرف عورتیں موجود ہوں۔ یا نہیں تو عورتیں مردوں سے بہت زیادہ ہوں اور جہاں مردوں سے اختلاط کے مواقع بہت ہی کم ہوں۔

۵- عورت بلاضرورت باہر نہ نکلے۔ ضرورت پڑنے پر مکمل حجاب کے ساتھ نکلے؛ تاکہ شیطانی اثرات سے محفوظ رہیں۔

۶- عورتیں کبھی اکیلے سفر نہ کریں۔ اپنے ساتھ کسی محرم کو ساتھ لیں اور ایسے وقت اور ایسی جگہ سفر نہ کریں جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو۔

۷- اپنی عورتوں کو دینی مجالس میں شریک ہونے کے مواقع فراہم کریں؛ تاکہ وہ دینی معلومات سے مستفید ہوں۔ دینی کتابیں اور رسائل بھی فراہم کریں؛ تاکہ وہ دینی اور دنیوی مسائل سے باخبر رہیں۔

۸- اپنی عورتوں، بیٹیوں اور بہنوں کو سوشیل میڈیا، جیسے انٹرنیٹ، فیس بک، انسٹاگرام وغیرہ کے استعمال کو محدود رکھیں۔ غیر اسلامی اور فحاشی کے استعمال سے دور رکھیں!

۹- دینی اور سیاسی ادارے حکومت پر دباؤ ڈالیں کہ ان گناہوں کے مرتکب مجرموں کو ایسی سخت

سزائیں نافذ کریں جس سے مجرموں کے دل میں خوف بیٹھ جائے اور گھناؤنی حرکتیں کرنے سے باز رہیں۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہماری امت مسلمہ کو ہندوستان میں بھی اور پوری دنیا میں بھی ان کی حفاظت فرما! امت مسلمہ کو شر پسندوں کے شر سے محفوظ فرما اور مجرموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا دے! آمین!

* * *

حواشی:

(۱) اسلام عورت کی حفاظت کیسے کرتا ہے؟ مولانا عبدالواحد مدنی صاحب کا اسلامک ریسرچ اینڈ گائیڈینس سینٹر (ائی آر جی سی) میں ۲۳/اگست ۲۰۲۴ء کو جمعہ کا خطبہ۔

(۲) راہ عمل از مولانا جلیل احسن ندوی۔ اسلامک پبلی کیشنز لاہور۔

(۳) فقہ النساء از محمد عطیہ خمیس۔ ادارہ معارف اسلامی، لاہور۔

(۴) وسیرت فاطمۃ الزہراؓ از مولانا عبدالحکیم عبدالمجید سوہدری۔ مسلم پبلی کیشنز، لاہور۔

(۵) بڑھتی بے حیائی کے خلاف بڑی مہم کی ضرورت ہے از محی الدین غازی صاحب۔ ماہنامہ زندگی نو، ستمبر ۲۰۲۴ء۔

(۶) با اخلاق ہونا ہی آزادی ہے از رحمت النساء۔ ترجمہ از محمد غطریف شہباز ندوی۔ ماہنامہ زندگی نو، ستمبر ۲۰۲۴ء۔

(۷) ترجمان الحدیث جلد دوم۔ از سید محمود حسن۔ مرکزی مکتبہ اسلامی۔ دلی۔

(۸) سوشیل میڈیا کیسے استعمال کریں کے عنوان پر شیخ حافظ محمود غنی مدنی صاحب کا اسلامک ریسرچ اینڈ گائیڈینس سینٹر (ائی آر جی سی) میں جمعہ کا خطبہ بتاریخ ۶ ستمبر ۲۰۲۴ء۔

* * *

ایصالِ ثواب

از: پروفیسر محمد سلیم قاسمی
شعبہ دینیات سنی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

موت کے بعد آدمی کو ثواب پہنچنے کی تین صورتوں پر امت کا اتفاق ہے جو ایک حدیث میں مذکور ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو دنیا سے اس کا رشتہ منقطع ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے: (۱) صدقۂ جاریہ (۲) مرنے والا ایسا علم چھوڑ کر مرے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں (۳) اولادِ صالح جو دعا کرے۔ (صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب مایلحق الانسان الثواب بعد وفاتہ)

۱- دعاء:

مُردوں کو زندوں کی طرف جن چیزوں کا ثواب اور فائدہ پہنچتا ہے، ان میں سے ایک دعا ہے۔ جس کی تعلیم خود اللہ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ کو فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (محمد:۱۹) (اور آپ بخشش طلب کیجیے اپنے گناہوں کی اور مومنین ومومنات کے لیے بھی)

اسی طرح مومنین کی شان بیان کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا: وَالَّذِيْنَ جَاؤُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا (الحشر:۱۰) (اور بعد میں آنے والے مؤمنین یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دیجیے اور ہمارے بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور نہ بنا ہمارے دلوں میں کوئی بغض وکینہ ایمان والوں کی طرف سے)۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے مرحومین کے لیے جو دعا کرتے ہیں، اس سے انھیں فائدہ ہوتا ہے۔ خصوصاً اولاد کی دعا والدین کے حق میں، جس کا حکم خود اللہ عزوجل نے فرمایا وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِىْ صَغِيْرًا (بنی اسرائیل:۲۴) (کہیے اے رب! رحم فرما ان دونوں

پر جیسا کہ انھوں نے مجھے بچپن میں رحم سے پالا)؛ اسی لیے حضرات سلف صالحین ایصالِ ثواب کے لیے زیادہ سے زیادہ دعا واستغفار کرتے تھے۔

۲- صدقہ جاریہ:

دوسری چیز جس کا ثواب انسان کو بعد مرنے کے ملتا رہتا ہے، وہ صدقہ جاریہ ہے۔ یہ دراصل انسان کی اپنی ہی کمائی ہوتی ہے جس کا ثواب اُسے بعد تک ملتا رہتا ہے، مثلاً کسی نے مسجد تعمیر کی یا شفاخانہ بناکے وقف فی سبیل اللہ کردیا۔ یا مدرسہ، اسکول، کالج قائم کیا کہ لوگ اس سے بلا معاوضہ علم حاصل کریں یا اور کوئی چیز خاص کی جس کا فائدہ عوام کے لیے وقف ہو، اس کا مقصد تجارت نہ ہو، تو یہ چیزیں جب تک قائم رہیں گی ان کا ثواب مرنے والے کو پہنچتا رہے گا۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا: وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ (یٰسین:۱۲) (اور ہم لکھتے رہتے ہیں انسان کے وہ سب اعمال جو اس نے اپنی زندگی میں کرکے آگے بھیج دیے اور اس کے اثرات جو پیچھے چھوڑ گیا اور اس طرح ہم ہر چیز کو جمع کرکے محفوظ رکھتے ہیں ایک کھلی کتاب میں)

اسی طرح سورۂ القیامہ میں فرمایا گیا: يُنَبَّأُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ (القیامہ:۱۳) (کل قیامت میں انسان کو اس کے اگلے وپچھلے اعمال سے باخبر کیا جائے گا)

حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، كُتِبَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شيئًا (مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ)

(جس نے اسلام میں اچھے کام کی ابتدا، کی، تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اور اس کا بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے، بغیر اس کے کہ کسی کے اجر میں کوئی کمی کی جائے؛ لیکن اگر کسی نے اسلام میں بُرے عمل کی ابتدا، کی پھر اس کی دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی اس پر عمل کیا، تو برے عمل کی پہل کرنے والے پر اپنے گناہ کے ساتھ ساتھ دوسروں کے گناہ کا بھی بوجھ اس کے سر ہوگا بغیر اس کے کہ کسی کے گناہوں میں کوئی کمی کی جائے)۔

صدقہ کا ثواب اس صورت میں بھی ملتا ہے اگر یہ کام مرنے والے کی طرف سے برضا ورغبت کوئی دوسرا، مثلاً اولاد وغیرہ کردے۔ یعنی ماں باپ کی طرف سے مسجد تعمیر کرادے یا اسی طرح کوئی دوسرا کارِ خیر۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے: عن سعيد بن عبادةؓ أَنَّ أُمَّهُ مَاتَتْ فقال الرسول ﷺ

إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ أَفَأَتَصَدَّقُ عَنْهَا، قَالَ نعم. قال فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ سَقْيُ الماءِ (مسند احمد۳۹/۲۶۴، تحقیق: شعیب الارناؤوط، طبع اولیٰ ۱۴۲۱ھ، ناشر: مؤسسۃ الرسالہ)۔

(حضرت سعد نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے کہا کونسا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: پانی پلانا (اس لیے کہ اس وقت عرب میں پانی کی سب سے زیادہ قلت تھی)

چنانچہ حضرت سعدؓ نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے اپنی والدہ کے ایصال ثواب کے لیے ایک کنواں کھدوادیا جو ''ام سعد'' کے نام سے مشہور ہوا۔

۳- علم نافع:

یعنی مرنے والا کوئی ایسا علم وہنر چھوڑ کر مرا جس سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہو، تو جب تک مخلوق اس علم وہنر سے فائدہ اٹھاتی رہے گی مرنے والے کو اس کا ثواب پہنچتا رہے گا۔

علم سے مراد سرفہرست علم شریعت ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے تمام علوم بھی اس میں شامل ہیں جس سے مخلوق کو فائدہ پہنچے۔ عصر حاضر کے مشہور عرب عالم شیخ محمد بن صالح عثیمینؒ سے الفاظ حدیث ''علم ینتفع به'' (وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں) کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انھوں نے جواب دیا: الظاهر ان الحديث عامٌّ كل علم ينتفع به فإنه يحصل له الاجر لكن على رأسها وقمتها العلم الشرعي فلو فرضنا ان الإنسان توفى وقد علم بعض الناس صنعة من الصنائع المباحة وانتفع بها هذا الذي تعلمها فإنه ينال الاجر ويوجر على هذا (موسوعۃ الفتاویٰ، فتوی نمبر: ۲۲۴۴۶۴)

(ظاہری طور پر اس سے ہر وہ علم مراد ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے، اس کے سکھانے سے مرنے والے کو اجر ملتا ہے؛ لیکن بنیادی طور پر اس سے علم شرعی مراد ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص وفات پاگیا اور اس سے کچھ لوگوں نے فائدہ مند ہنر سیکھ لیا جو مباح ہے۔ پھر سیکھنے والے لوگ اس ہنر سے منتفع ہوتے ہیں تو اس کا جر میت کو ملتا ہے)

معلوم ہوا کہ اس سے صرف علمِ دین مراد نہیں؛ بلکہ الفاظِ حدیث عام ہونے کی بنیاد پر اس سے ہر وہ علم مراد ہے جو مباح ہو اور انسانوں کے لیے فائدہ مند ہو۔ بس یہی تین باتیں ایسی ہیں جن پر امت کا اتفاق ہے بقیہ دیگر تمام چیزوں میں مثلاً تلاوتِ کلام پاک کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے۔

تلاوت کلام پاک کا ایصال ثواب:

میت کے لیے تلاوت کلام پاک کے ایصال ثواب کو لے کر فقہاء کے مابین اور پھر فقہاء اور اصحاب الحدیث کے درمیان اختلاف ہے۔ ذیل میں فقہاء اور اصحاب الحدیث کی آراء اور ان کے دلائل کا تجزیہ کیا گیا ہے:

فقہاء کی آراء:

امام مالک اور امام شافعی کے یہاں تلاوت قرآن پاک کا ثواب نہیں پہنچتا۔ دلیل یہ ہے کہ مدینہ میں اس کا رواج نہیں تھا۔ اور نہ ہی اس بارے میں کوئی نص وارد ہے اور نہ سلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ ان دونوں ائمہ کے یہاں صرف مالی عبادات جیسے صدقہ اور حج کا ثواب پہنچتا ہے جو نص سے ثابت ہے اور سلف صالحین کا اس پر عمل بھی تھا۔ اس کے سوا ان کے نزدیک میت کو بدنی عبادات جیسے نماز، روزہ، تلاوت قرآن اور اذکار کا ثواب نہیں پہنچتا۔ امام شوکانیؒ لکھتے ہیں: والمشهور من مذهب الشافعي وجماعة من الصحابة انه لا يصل إلى الميت قراءة القرآن (نیل الاوطار للشوکانی ۱۱۳/۴، بیروت، ۱۴۱۹ء) (امام شافعی اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت کا مشہور مذہب یہ ہے کہ قراءۃ قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا)

ان ائمہ کے برخلاف امام احمد اور امام ابوحنیفہ کے یہاں تلاوت کلام پاک کا ثواب میت کو پہنچتا ہے؛ چنانچہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: وهذه الاحاديث صحاح وفيها دلالة على انتفاع الميت فسائر القرب لان الصوم والحج والدعاء والاستغفار عبادات بدنية قد اوصل اللّٰه نفعها إلى الميت فكذلك ماسواها (المغنی لابن قدامہ ۴۲۳/۲، قاہرہ، ۱۳۸۸ھ)

(صدقہ اور حج والی روایات صحیح ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ میت کو ہر طرح کی عبادات کا ثواب پہنچتا ہے، جس طرح اللہ عزوجل صدقہ اور حج کا ثواب میت کو پہنچاتے ہیں ایسے ہی روزہ اور دعاء واستغفار جو بدنی عبادات ہیں ان سب کا ثواب بھی میت کو پہنچاتے ہیں)۔

امام ابن تیمیہ حنبلی لکھتے ہیں: اما الصيام ومصلاة التطوع وقراء القرآن فهذا فيه قولان للعلماء. الأول: ينتفع به وهو مذهب احمد وأبي حنفيه وبعض صحاب الشافعي وغيرهم. والثاني: لاتصل إليه وهو المشهور في مذهب مالك والشافعي.... تنازعوا فی وصول الاعمال البدنية كالصوم والصلاة والقراءة. والصواب ان الجميع يصل إليه (مجموع الفتاوی ۳۱۵/۲۴-۳۶۶، سعودیہ، ۱۴۲۵ھ)

(نفلی روزہ، قراءۃ قرآن اور نماز کے سلسلہ میں علماء کے دو اقوال ہیں۔ پہلا: میت کو ان چیزوں کا ثواب پہنچتا ہے اور یہ مذہب امام احمد، امام ابوحنیفہ اور بعض اصحاب شافعی وغیرہ کا ہے۔ دوسرا: میت کو ان چیزوں کا ثواب نہیں پہنچتا ہے، یہ مشہور مذہب امام مالک اور شافعی کا ہے۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ بدنی اعمال کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں جیسے روزہ، نماز اور قراءۃ قرآن۔ تو صحیح بات یہ ہے کہ مجالی اور بدنی ہر طرح کا ثواب میت کو پہنچتا ہے)۔

امام زیلعی حنفی لکھتے ہیں: الاصل فی هذا الباب ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره عند اهل السنة والجماعة صلاة كان أو صوما أو حجا أو صدقة أو تلاوة قرآن أاو الاذكار أو غير ذلك من جميع انواع البر ويصل ذلك إلى الميت وينفعه (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۲/۱۸۳، قاہرہ، ۱۳۱۴ھ)

اس باب میں اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ انسان اپنے کسی بھی نیک عمل کا ثواب دوسرے کو ایصال کرسکتا ہے۔ وہ نماز ہو، روزہ ہو، حج ہو، صدقہ ہو، تلاوت قرآن پاک ہو یا اور کوئی ذکر واذکار ہو۔ ہر طرح کی نیکیوں کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور اس سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے)۔

مالکیہ میں شیخ احمد الدردیر لکھتے ہیں: المتأخرون على انه لاباس بقراءة القرآن والذكر وجعل ثوابه للميت ويحصل به الاجر (الشرح الکبیر للدردیر ۱/۴۲۳، باب زیارۃ القبور، ب س ط)

(متاخرین (مالکیہ) کے یہاں تلاوت قرآن پاک اور ذکر کا ثواب میت کو پہنچتا ہے)۔

شافعیہ میں امام نووی اور امام شوکانی لکھتے ہیں: والمشهور في مذهبنا ان قراءة القرآن لايصله ثوابها وقال جماعة من اصحابنا يصله ثوابها (شرح النووی علی مسلم ۷/۹۰، بیروت ۱۳۹۲ھ، نیل الاوطار ۴/۱۱۳)

(شافعیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ قرآن کی قراءت کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا؛ لیکن متاخرین شوافع کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے)۔

حاصل یہ کہ ایصال ثواب کو اکثر فقہاء نے درست کہا ہے۔ انھوں نے اسے صدقہ اور حج پر قیاس کیا ہے، یعنی جس طرح صدقہ اور حج نیکی ہے اور اس کا ثواب مردہ کو پہنچتا ہے اسی طرح تلاوت کلام پاک کا بھی ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ سوائے امام مالک اور امام شافعی کے، ان کے یہاں قرآن پاک کا ثواب ایصال کرنا مشروع عمل نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی ایسا نہیں کیا؛ حالانکہ آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ، آپ کی ازواج حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ اور آپ کی

تین بیٹیاں اور تمام بیٹے آپ کے سامنے فوت ہوئے؛ مگر آپ ﷺ نے ان میں سے کسی کی طرف سے بھی قرآن پڑھ کرنہیں بخشا اور نہ کبھی صحابہ کے لیے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کیا، باوجود یہ جاننے کے کہ یہ سب معصوم عن الخطا نہیں تھے، انھیں بھی تکفیر السیئات اور رفع درجات کی حاجت تھی۔ نہ ہی صحابہ سے اس سلسلہ میں کچھ ثابت ہے؛ حالاں کہ جنگ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے، اسی طرح دوسری جنگوں میں بہت سے صحابہ شہید ہوئے اور دوسرے بہت سے گھروں میں انتقال کر گئے؛ مگر کسی بھی صحابی نے اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے ایصال ثواب نہیں کیا۔ اس کام میں اگر کوئی بھلائی ہوتی تو یقیناً صحابہؓ ہم سے سبقت لے جانے والے ہوتے۔ یا یہ عمل اگر ضروری ہوتا تو حضور ﷺ اس کا حکم ضرور صادر فرماتے، جس طرح آپ ﷺ نے فرمایا: لقنوا موتاکم لا إله إلا الله (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب تلقین الموتی) (مرنے والے شخص کے قریب کلمہ توحید کی تلقین کیا کرو)۔

الغرض اس مسئلہ میں نص سے کچھ بھی ثابت نہیں، فقہاء نے اجتہاد واستنباط کی بنیاد پر اسے جائز کیا۔

موجودہ صورت حال:

قطع نظر طرفین کے آراء اور ان کے دلائل کے آج قرآن خوانی کی جو صورت حال ہے اس کو دیکھتے ہوئے اسے جائز کہنا درست نہیں۔ احناف کی مشہور کتاب درمختار اور حاشیہ ابن عابدین (ردالمحتار ۵/۵۶) میں ابن عابدین لکھتے ہیں: ان القراءة بالاجرة لایستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری وقال العینی فی شرح الهدایة: ویمنع القاری للدنیا والاخذ والمعطی آثمان. فالحاصل ان ما شاع فی زماننا من قراءة لاجزاء بالاجرة فلا یجوز (قرآن کو اجرت پر پڑھوانے سے کوئی ثواب نہیں ملتا، نہ پڑھنے والے کو اور نہ میت کو۔ علامہ عینی نے شرح الهدایہ میں فرمایا کہ دنیا کی خاطر تلاوت کرنے والے اور اجرت دینے والے دونوں گنہگار ہوتے ہیں۔ حاصل یہ کہ ہمارے زمانے میں اجرت کے عوض قرآن کے پاروں کو پڑھوانا جائز نہیں)

اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے ایک فتویٰ میں برصغیر میں مروجہ قرآن خوانی کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ عقائد وایمانیات کے باب میں فتویٰ نمبر: ۱۶۱-۲۱۴۴۵/ر میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ مروجہ قرآن خوانی جو پیسوں اور کھانے کے عوض کرائی جائے وہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ قرآن پڑھنا ایک عبادت ہے؛ لیکن پیسوں اور کھانے کے بدلے پڑھنے والوں کو کوئی ثواب نہیں ملتا۔ جب ثواب نہیں ملتا تو میت کو کیوں کر ایصال ثواب ہوسکتا ہے۔ فتویٰ نمبر: 39-349/M=۴۱۴۴۰ میں

مزید کہا گیا کہ اجتماعی قرآن خوانی کا مروجہ طریقہ خرابیوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے لائقِ ترک ہے۔ نیز قرآن خوانی کے عوض روپیہ پیسہ لینا جائز نہیں، چاہے صراحتاً ہو یا کسی اور طریقہ پر۔ اسی طرح دنیاوی عہدہ ومنفعت کے حصول کے لیے تلاوت کرنے سے بھی کوئی ثواب نہیں ملتا۔

دارالافتاء جامعۃ الاسلامیہ بنوری، کراچی، پاکستان کے ایک فتویٰ (نمبر:144010201083) میں کہا گیا کہ قرآن خوانی کے لیے دعوت دینا اور صلحاء وقراء کو ختم، بالخصوص سورتوں کی قراءت کے لیے جمع کرنا، اس کے لیے دن خاص کرنا (مثلاً سوئم اور چہلم وغیرہ) اور پھر متعینہ دن میں تعزیت پر آئے لوگوں کی ضیافت کرنا وغیرہ سب مکروہ اور بدعت مستقبحہ ہے۔

بعد مرنے کے مردے کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جن لوگوں نے یہ سب رسمیں ایجاد کی ہیں وہ سب اس بنیاد پر کہ فقہاء نے قراءت قرآن کا ثواب ایصال کرنا جائز قرار دیا ہے؛ مگر اس طرح اجتماعی یا انفرادی طور پر قرآن خوانی سے میت کی مغفرت ہونے لگے تو نہ کسی کو عذاب قبر ہو اور نہ کوئی جہنم میں داخل ہو، چاہے وہ کتنا بڑا مجرم ہی کیوں نہ ہو، لوگوں کے حقوق غصب کیے ہوں اور کبیرہ گناہوں سے توبہ کیے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہو۔ ایسا تصور اہل کتاب کے یہاں بھی نہیں پایا جاتا۔ ان کے یہاں مرنے والے کے لیے نہ یہ سب رسمیں کی جاتی ہیں اور نہ کتاب اللہ کی تلاوت کی جاتی ہے اور نہ اس پر کوئی معاوضہ لیا دیا جاتا ہے۔

* * *

یادگار اسلاف شیخ الحدیث
حضرت مولانا محمد انور بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ

از: مولانا محمد راشد شفیع

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ (آخر زمانے میں) اس طرح علم نہیں نکالے گا کہ بندوں کے دل و دماغ سے نکال ڈالے؛ بلکہ علماء کے اٹھانے سے علم کو اٹھالے گا؛ جب کہ کوئی عالم باعمل باقی نہیں رہے گا، تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے ان سے دینی فتوی دریافت کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتوی کا جواب دیں گے جس سے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔'' (مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم)

حضرت ابووائل فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا: کیا تم جانتے ہو کہ اسلام کیسے کمزور ہوگا؟ لوگوں نے عرض کی: کیسے؟ فرمایا: جیسے جانور اپنے موٹاپے سے کمزوری کی طرف جاتا ہے، اور جیسے کپڑا طویل عرصہ پہننے سے کمزور ہوجاتا ہے اور جیسے درہم طویل عرصہ چلتے رہنے سے گھس جاتا ہے، ہوگا یوں کہ ایک قبیلہ میں دو عالم ہوں گے، پس جب ان میں سے ایک فوت ہوجائے گا تو آدھا علم جاتا رہے گا اور جب دوسرے کا انتقال ہوجائے گا تو سارا علم جاتا رہے گا۔ (اخلاق العلماء للآجری، ص،58، ط: دار أضواء السلف)

حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگ اس وقت تک خیر کے ساتھ رہیں گے جب تک کہ پہلے سے دوسرا علم حاصل کرتا رہے گا، پس جب کبھی پہلا فوت ہوگیا اور دوسرے نے اس سے علم نہ سیکھا تو یہ لوگوں کی ہلاکت ہوگی (یعنی جب علم اگلی نسل تک نہ جائے گا تو گویا وہ لوگ ہلاک ہوجائیں گے)۔ (سنن دارمی، باب ذھاب العلم، جلد 1، حدیث: 248)

حضرت ابووائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ علم کیسے کم کیا جائے گا؟ ابووائل کہتے ہیں کہ میں نے کہا جیسے کپڑا کم ہوجاتا ہے اور جیسے درہم کم ہوجاتا ہے، حضرت حذیفہ نے فرمایا یہ بھی اسی سے ہے؛ لیکن علم کا کم ہوجانا علماء کا فوت ہوجانا ہے۔(سنن دارمی، باب ذھاب العلم، جلد 1، حدیث: 250)

بلاشبہ علماء ربانیین کا دنیا سے رخصت ہونا اہلِ علم واہلِ دنیا کا ناقابل تلافی نقصان ہے، استاد محترم شیخ الحدیث مولانا محمد انور بدخشانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ ان مبارک ہستیوں میں سے تھے جن کا وجود مسعود امت کے لیے رحمت اور تشنگانِ علوم دینیہ کے لیے نعمت الٰہی تھا، آپ کی پوری زندگی قال اللہ اور قال الرسول کے ورد میں گزری، ہزاروں طلباء نے آپ سے فیض حاصل کیا آپ علم وعمل، زہد وتقوی، اخلاص وللّٰہیت، رسوخ فی العلم میں اپنی مثال آپ تھے۔

ابتدائی تعلیم

مولانا محمد انور بدخشانی رحمہ اللہ 1932ء کو افغانستان کے صوبہ بدخشاں میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے چچا مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگرد مولانا محمد شریف سے حاصل کی، افغانستان کا صوبہ تخار جو اس وقت علم کا مرکز تھا؛ اس لیے آپ نے وہاں جاکر مختلف فنون کی کتابیں پڑھیں جن میں صرف ونحو، بلاغت، فقہ، تفسیر، منطق سرفہرست ہیں، پھر دوبارہ اپنے چچا مولانا محمد شریف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشکوۃ، مطول تک کتابیں ان سے پڑھیں، 1965ء میں پاکستان تشریف لائے اور دارالعلوم انجمن تعلیم القران میں منقولات اور معقولات کی کتابوں کی تعلیم حاصل کی، 1966ء میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تشریف لے گئے وہاں فرید العصر مفتی محمد فرید رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اساتذہ سے تفسیر اور دیگر کتب کی تعلیم حاصل کی، اس دوران صوبہ خیبر پختون خواہ کے کبار اہل علم سے خاص طور پر مارتونگ بابا جی رحمہ اللہ سے فلسفہ، فلکیات کے علاوہ دیگر علوم کی تعلیم حاصل کی، پھر آپ کراچی تشریف لے آئے اور محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ سے دورہ حدیث کی تکمیل کی، فراغت کے بعد شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ نے جامعہ فاروقیہ میں آپ کو تدریس کے لیے منتخب فرمایا اور دوسال بعد ہی حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے ارشاد پر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن تشریف لے آئے اور 1974ء سے تاآخر اسی جامعہ سے وابستہ رہے۔

زہدوتقوی

علم کا نور حاصل کرنے کے لیے تقوی بنیادی شرط ہے، علم بلا تقوی سے محض معلومات تو حاصل ہوسکتی ہیں؛ مگر علم کی روح تک نہیں پہنچا جاسکتا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یادرکھو علم کی حقیقت میں قسم کھا کر کہتا ہوں بغیر تقوی کے حاصل نہیں ہوتی، استاد محترم حضرت مولانا انور بدخشانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی تقوی وللّٰہیت روز روشن کی طرح عیاں نظر آتی تھی حضرت استاد محترم کو اللہ تعالی نے جہاں رسوخ فی العلم عطا فرمایا تھا وہیں تقوی کی دولت سے بھی مالا مال تھے، اتنے بڑے منصب پر فائز ہونے کے باوجود طلبا کرام سے نہایت شفقت وتواضع سے پیش آتے، دنیا سے بے رغبتی کمال کی تھی، سادہ لباس، سادہ رہن سہن، سادہ گفتگو پسند فرمایا کرتے تھے، بلاشبہ استاد محترم علم ومعرفت کی دنیا میں ہمہ جہت شخصیت تھے، اصحابِ علم وعمل آپ کو ایک جید عالم دین، مفسر، محدث، محقق کی حیثیت سے جانتے تھے، اور یہ مبالغہ آرائی نہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی نے آپ کو گوناگوں علمی وعملی صلاحیتوں سے نوازا تھا، ان کی ان صلاحیتوں کے پس منظر میں ایک قوت کارفرما تھی جسے تقوی کہتے ہیں۔

تصنیف وتالیف

اللہ تعالی نے استاد محترم کو تصنیف وتالیف کا خاص ذوق عطا فرمایا تھا، تفسیر فقہ، اصول فقہ، بلاغت، منطق صرف ونحو سمیت کئی علوم وفنون پر مکمل دسترس رکھتے تھے، آپ نے درس نظامی کی کئی مشکل کتابوں کی تسہیل فرمائی، اس کے علاوہ اور بھی کئی موضوعات پر آپ نے تحقیقی کام کیا، آپ کی چند تصنیفات درج ذیل ہیں۔

ترجمۂ قرآن (فارسی)، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، تسہیل مقدمہ صحیح مسلم، الشرح والتفصیل فی الجرح والتعدیل، اصول الحدیث للامام السرخسی، تفہیم مصطلح الحدیث، تسہیل شرح نخبۃ الفکر، تیسیر الحقائق فی شرح کنز الدقائق، تسہیل الحسامی، ازالۃ الرھبوت، تسہیل اصول الشاشی، تیسیر اصول الفقہ، اصول الفقہ للمبتدئین، طریق الوصول الی علم البلاغۃ، تسہیل مختصر المعانی، شرح موجز البلاغۃ، تسہیل السراجی فی المیراث، تسہیل الضریری، تسہیل شرح الجامی، تسہیل القطبی تسہیل المنطق، المنطق المنہجی للمبتدئین۔

قرآنی خدمت پر اعزاز

حضرت استاد محترم رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالی نے ایک اعزاز یہ بھی بخشا کہ استاد محترم کا فارسی

ترجمہ قران مدینہ منورہ میں ”قائم مجمع الملك فهد لطباعة القران الكريم“ جوکہ قران کریم کے مختلف زبانوں میں طباعت واشاعت کا سرکاری ادارہ ہے نے فارسی زبان میں لکھے گئے تمام تراجم میں سے منتخب کر کے شائع کیا،اوراب یہ ترجمہ لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوکر پوری دنیائے فارسی میں تقسیم ہورہا ہے۔

صہری نسبت کا اعزاز

اللہ تعالی نے علم وتقوی کی بدولت استادمحترم کوایک اعزاز یہ بھی بخشا کہ پہلے محدث العصر حضرت مولانا سیدمحمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صاحبزادی آپ کے عقد میں دی،ان کے انتقال کے بعد مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی نواسی اور دارالعلوم کراچی کے ناظمِ اول مولانا نوراحمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی آپ کی رفیقۂ حیات بنیں۔

سفرآخرت

حضرت مولانا محمدانور بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ کافی عرصہ سے علیل تھے،علمی دنیا کا یہ آفتاب بالآخر 13 راگست بروز منگل سفرآخرت پر روانہ ہوا، آپ نے اپنے سوگواران میں تین صاحبزادے چھ صاحبزادیاں اورتیسری اہلیہ چھوڑی ہیں، آپ کے دولخت جگر مولانا مفتی محمدانس انوراور مولانا مفتی محمدعمرانوردامت فیوضہم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں،ظہر کی نماز کے بعد جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمدتقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی اقتدا میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی، نمازِ جنازہ میں آپ کے ہزاروں شاگرد اورشہر کے مقتدر علماء اشکبارآنکھوں کے ساتھ شریک ہوئے بعدازاں دارالعلوم کراچی کے قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں لائی گئی۔

رَحِمَهُ اللّٰه رحمةً واسعةً

کتاب:

''سلاطینِ ہند کی دینی و مذہبی مساعی''
کا سرسری مطالعہ

از: ڈاکٹر عاصم نعیم
پروفیسر ادارہ علومِ اسلامیہ وایڈیٹر سہ ماہی مجلّہ القلم، پاکستان

کسی بھی زبان میں تصنیف تالیف کا سلسلہ بہت قدیم ہے اور دنیا میں ان گنت کتابیں لکھی گئیں۔ ہر مصنف اور محقق نے اپنے ذوق اور مطالعہ کی روشنی میں عالمانہ کتابیں تحریر کی ہیں، جن میں بہت سی کتابیں اپنے موضوع کے اعتبار سے مقبول ہوئیں اور شہرتِ دوام حاصل کیں۔ اسی تناظر میں دیکھا جائے تو تاریخی کتابوں کا بھی ایک لامتناہی سلسلہ ہے؛ لیکن ان میں بعض تاریخی کتابیں ایسی ہیں جن کے مطالعہ سے فکر ونظر کے دریچے کھلتے ہیں اور مثبت زاویۂ نظر کی عکاسی ہوتی ہے اور جس کو بار بار پڑھنے کا دل چاہتا ہے۔ اسی نوعیت کی ایک اہم کتاب بھارت کے ایک نوجوان محقق اور مصنف کی سلاطینِ ہند کی تاریخ پر مبنی منصۂ شہود پر آئی ہے، جسے پاکستان کے ایک معتبر اور بڑے اشاعتی ادارہ نے شائع کیا ہے۔ افادۂ عام کے لیے اسی کتاب کا مطالعہ مقصود ہے؛ مگر اس سے قبل یہاں کچھ تاریخی حقائق کا استحضار بھی ضروری ہے، جو درج ذیل ہے۔

تاریخ - معنوی مباحث

تاریخ کے لیے انگریزی میں لفظ History استعمال ہوا ہے۔[1] جس کے معانی ہیں: (۱) مہینے کا ایک دن، (۲) کسی چیز کے ظہور کا وقت، (۳) وہ کتاب جس میں بادشاہوں اور مشہور آدمیوں کے حالات اور ان کے عہد کے واقعات درج ہوں، (۴) جملے، شعر یا فقرے، جن کے عدد نکالنے سے

مادۂ تاریخ نکل آئے (۵) روایات، قصے، افسانے (۶) جنگ نامے۔[۲]

اردو میں تاریخ کے مترادف الفاظ توریخ، اخبار، تذکرہ، کتاب، روایت، داستان، دن، عہد، دور، مجموعہ، واقعہ، روزنامچہ، کہانی، خبر، خبریں اور علم سرگزشت وغیرہ ہیں۔ عام لغات میں تاریخ کے معنٰی ہیں ''وقت بتانا'' درج ہے۔ اصل میں تاریخ اور توریخ ایک ہی معنی دیتے ہیں۔

عربی زبان میں ارخت الکتاب بولا جاتا ہے یعنی کتابت کا وقت درج کرنا۔ عربی زبان میں نازل شدہ کتاب مقدس قرآن مجید میں لفظ تاریخ کے لیے بیسیوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً موقوتاً، قصص، دھر (زمانہ)، عصر اردو، واقعہ اور خود لفظ آیت بھی کئی معنی دیتا ہے۔

ترکی زبان میں لفظ History کو Torik کے نام سے رقم کیا گیا ہے۔[۳] جرمن زبان میں history کے لیے لفظ geschicht-e ادا ہوتا ہے جس کے معنی ancient/ old history, event, story کے ہیں۔[۴]

فرانسیسی زبان میں لفظ history لفظ history کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لغت میں اس کے معنی تاریخ و کہانی کے ہیں۔[۵]

اٹھارہویں صدی عیسوی میں زمانے کی دیگر ترقیوں کے ساتھ ساتھ لفظ history نے بھی ترقی کی جانب قدم بڑھایا اور اسے "Philosophy of History" کہا جانے لگا۔

تاریخ کسی بھی نصاب تعلیم کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔ سب سے منور، جگمگ کرنے والا، ذہنی و روحانی طور پر بصیرت سے بہرہ ور کرنے والا علم ہے۔ ذہن و روح کی بھرپور فطری و قدرتی نشو و نما میں معاون و موید و کارگر ہو، جو ذہن و جذبات میں اُبال پیدا کرنے کا موجب بنتا ہو۔ تاریخ کا مقصد ہونا چاہیے: زندگی کی تفہیم۔ ابتدائی ایام میں لوگ کس طرح سوچتے تھے، محسوس کرتے تھے، زندگی گزارتے تھے، ان کے افکار، محسوسات طرزِ زیست، سب کا مطالعہ تاریخ کا حصہ ہوتا ہے۔ تاریخ ایک ایسا علم ہے جو لوگوں کے دلوں میں ایک تعمیری تخیل اور طاقت و جذبات پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔

مسلم تاریخ اس انداز سے پڑھائی جائے کہ مسلمان طالب علم اپنے علمی، سماجی، سیاسی ورثے تہذیبی و ثقافتی ورثے پر فخر کرنے والا بنے۔ اور وہ اپنے آپ کو ماضی کی اس شاندار تحریک کا ایک رُکن محسوس کرے۔ مسلمان حکام، امرا، سپہ سالاران، علما، دانش وروں، معماروں، امرا یہ نہ صرف یہ کہ ان پر فخر کرے بلکہ ان جیسا بننے کی تڑپ اور لگن پیدا کرے۔

مسلمان نصف دنیا کے فاتح رہے ہیں۔ صرف ممالک و براعظموں کے نہیں؛ بلکہ دلوں کے

فاتح کہ جن کو لوگ پوچھنے پر مجبور ہو جائیں۔ ان کی مثالیں، اور نمونے تاریخ کا لازمی جزو ہونے چاہئیں۔ تاریخ کا علم ناپختہ ذہنوں کو پختگی عطا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ ان کی ذہنی وروحانی تربیت کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔

حضرت آدمؑ سے لے کر نبی آخرالزماں ﷺ تک تاریخ مذاہبِ عالم میں کوئی مذہب بھی اپنی تاریخ کے لیے اس قدر عالم گیر، ہمہ گیر، جامع ومنظّم اور مکمل تاریخ ساز مواد کا خزانہ نہیں رکھتا، جس قدر تاریخِ اسلام۔ دنیا کے بڑے مذاہب، یہودیت، نصرانیت، ہندومت اور بدھ مت کے مذہبی تاریخی حوادث وروایات میں توازن واعتدال کی روح نمایاں طور پر کم پائی جاتی ہے۔ وہ آج تک اسلامی تاریخ نگاری کی تجزیاتی وتنقیدی، اجتہادی واستبادی اور علمی وفکری جامع خصوصیات کے چیلنج کا جواب نہیں دے پائیں۔

تاریخ مذاہبِ عالم کامل نہیں ادھوری ہے کیوں کہ اس میں جزوی صداقت پائی جاتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں اسلامی تاریخ مکمل اور فطری ہے۔ اس کا تجربہ اس قدر کامیاب ثابت ہوا کہ اسلامی معاشرہ صدیوں تک مثالی سمجھا جاتا رہا اور اس نے علم وحکمت ادب وفن، صنعت وحرفت، ریاست وحکومت، قانون وسیاست، سیاحت وحرب، معاشیات وفقاہت، غرضے کہ زندگی کے ہر شعبے میں عظیم وباکمال اور نابغۂ روزگار شخصیات پیدا کیں اور اُمتِ مسلمہ نے سات آٹھ صدیوں تک اقوامِ عالم کی قیادت کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اسلامی نظام کو پھر قائم کر دیا جائے تو دنیا اسے پھر مثالی سمجھنے پر مجبور ہو جائے گی۔

ابن خلدون وہ پہلا شخص ہے، جس نے اس خاص نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے، جس کی رُو سے، تاریخ کو اسی حد تک کہ اس کی غائب حقائق کو جمع کرنا اور اس کی تنظیم ومنہج ہے؛ تاکہ ان کے ذریعے اسباب وتنازع کا انکشاف ہو سکے۔ ان کے نزدیک کسی تمدن میں جب کبھی خاص اسباب وعلل کا اجتماع ہوتا ہے، تو اس وقت ایک معین حادثے کا ظہور ہوتا ہے۔ تاریخ کی غایت اجتماعیات یا حیاتِ اجتماعی کا مطالعہ ہے۔

تاریخ ایک دلچسپ علم ہی نہیں، دل چسپ مہم بھی ہے۔ گزشتہ قوموں کے اخلاق واحوال؛ انبیاء کی شریعتوں سے آگاہی؛ حکومت اور سیاست کے انداز، سلاطین کی پالیسی، حکمت عملی سے آگاہی؛ لڑائیوں اور حکومت کی خبروں؛ سابق صدیوں کے بیتے ہوئے واقعات؛ حکومتوں کے عروج وزوال کی داستان، سب کچھ تاریخ میں ملتا ہے۔ اسی طرح واقعات کی کیفیات واسباب کا گہرا علم بھی تاریخ

سے حاصل ہوتا ہے۔

بڑے بڑے مورخین اسلام نے مفصل تاریخیں لکھیں اور دنیا کے واقعات قلم بند کیے۔ اہم مسلم مورخین میں ابن اسحٰق، ابن جریر طبری، ابن کابسی، محمد بن عمر واقدی، مسعودی، یعقوبی، ابن کثیر، ابن اثیر اور ابن خلدون وغیرہم قابلِ ذکر ہیں۔ جنھوں نے تاریخِ انبیاء سے لے کر اپنے عہد تک کے حکمرانوں کی مفصل اور متنوع تواریخ لکھ ڈالیں۔ جن میں اس عہد کے حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ اصولِ حکمرانی، قواعدِ سیاست، طبیعتِ مدنیت، تمدن و معاشرت تک کے حالات لکھ ڈالے۔ انھوں نے صرف نقل پر اکتفا نہ کیا؛ بلکہ عقلی اور درایتی معیار کو بھی بروئے کار لایا۔

برصغیر کی تاریخ پر لکھی گئی کتب کے تذکروں میں ابوریحان البیرونی (۱۰۴۸ء) کی ''کتاب الہند'' کا نمبر سب سے پہلے آئے گا۔

سردار امراو بہادر کی ''بھارت پران'' جسے ہندوستان کی قدیم تاریخوں میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ ۵۷۱ صفحات پر مشتمل کتاب، ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی۔ ''بھارت پران''، ہندوستان کی پرانی تاریخ ہے۔ نیز مصنف نے رامائن اور مہابھارت کو بھی پرانے زمانے کے پرانے ہندوستان کی تاریخ کہا ہے اور اس کے لیے انھوں نے عالمی ادب کے کئی بڑے لوگوں کا سہارا لیا ہے۔ بہرحال یہ کتاب قدیم ترین ہندوستان کی تاریخ ہے جس کو مختلف ابوابوں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ہندوستان قدیم کو سمجھنے میں کسی حد تک معاون ہے۔

ضیاء الدین برنی (۱۳۵۷ء) کی ''تاریخ فیروز شاہی'' مملوک بادشاہ غیاث الدین بلبن کے دور ۱۲۶۵ء سے فیروز شاہ تغلق کے چھٹے سال جلوس ۱۳۵۷ء تک سلاطین دہلی کی پچانوے (۹۵) سال کی نہایت اہم تاریخ ہے۔

''منتخب اللباب''، خافی خاں نظام الملک کی تصنیف ہے جو ہندوستان کی عمومی کتب ہائے تواریخ میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کو تاریخ خافی خان کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ کتاب کو تین جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی جلد میں سبکتگین سے لے کر لودھیوں تک کے مقامی شاہی خاندان شامل ہیں۔ جلد دوم میں تیموری خاندان اور مغل شہنشاہ اکبر تک کا احاطہ کیا گیا ہے۔ جلد ۳/ اکبر کی وفات کے بعد مغل دور (1605) پر محیط ہے۔ اس کتاب میں محمد شاہ کے دورِ حکومت کے 14 ویں سال یعنی 1732 کے آغاز تک کے واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

''ہندوستان کا شاندار ماضی''[۶] اے۔ ایل باشم کی مشہور کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ جس کو غلام

سمنانی صاحب نے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ یہ کتاب ہندوستانی تہذیب وتمدن کی عکاس ہے۔ ہندوستان کی تہذیب وتمدن اور تاریخ کو بیان کرتے ہوئے مصنف نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ کوئی چیز محروم تشریح نہ رہ جائے۔ ہندوستان کی تہذیب، مذہب اور فن اہم ہیں؛ اس لیے بہرحال مختصراً ہی سہی ہندوستانی زندگی وفکر کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ ہندوستانی تہذیب وتمدن نہایت ہی رنگارنگ اور خوبصورت ہے؛ اس لیے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ پیش نظر کتاب اسی رنگارنگ تہذیب وثقافت سے واقف کراتی اہمیت کی حامل ہے۔

''سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات'' از خلیق احمد نظامی(۷) اس موضوع پر ایک اہم کتاب ہے۔ سلاطین دہلی کے عقائد ونظریات کیا تھے؟ اس پہلو پر بہت کم لکھا گیا ہے؛ حالانکہ اس موضوع پر یوروپین مورخین نے بہت کچھ لکھا ہے؛ مگر ان کی تحریروں کی حقانیت پر پورا بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ان سلاطین کی زندگی کے ماخذ زیادہ تر فارسی زبان میں ہیں۔ اس کتاب میں سلطان قطب الدین ایبک سے لے کر سلطان ابراہیم لودھی تک تمام سلاطین دہلی کے مذہبی افکار، نظام حکومت اور تاریخ اسلام میں سلطنت دہلی کی حیثیت پر مکمل بحث موجود ہے۔

''سلاطینِ دہلی کے عہد میں ہندوستان سے محبت وشیفتگی کے جذبات'' از صباح الدین عبدالرحمان(۸) میں موضوع سے متعلق مواد کو علمی انداز میں عمدگی سے پیش کیا گیا ہے۔

''مسلمان حکمران'' از رشید اختر ندوی(۹) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں میں سے ٹیپو سلطان تک کے حکمرانوں کے احوال ووقائع کا ایک طویل تذکرہ ہے۔

صباح الدین عبدالرحمان کی کتاب ''ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری''(۱۰) اپنے موضوع پر نہایت اہم کتاب ہے۔ مصنف نے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری کے متعدد واقعات مستند حوالوں کے ساتھ نقل کیے ہیں۔

مصنفِ موصوف کے دیگر کتب میں سے دو کتابیں: ''ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں کے تمدنی کارنامے'' اور ''ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے'' بھی موضوع سے متعلق اہم کتب سمجھی جاتی ہیں۔

ایشورناتھ ٹوپا کی ''ہندی مسلمان حکمرانوں کے سیاسی اصول''(۱۱) میں مصنف نے سلاطین اور مغل حکمرانوں کی سیاسی پالیسیوں کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔ محمد بن قاسم کی سیاسی پالیسیوں سے آغاز کرکے مغل حکمرانوں تک بشمول عہدِ سلطنت کے مختلف خاندان حکمرانوں کے ادوارِ حکومت میں رائج

سیاسی نظام خصوصاً جزیہ، جیسے مسائل کا اختصار سے جائزہ لیا ہے۔اس کتاب کی بنیادی اہمیت یہ ہے کہ یہ ان موجود تاریخی غلط فہمیوں کا ازالہ کرتی ہے، جو برٹش حکومت کے زمانے میں پیدا ہوگئی تھیں۔ مصنف کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی پالیسی سیاسی مصلحتوں سے اثر انداز ہوتی رہی ہے، نہ کہ مذہبی اور تبلیغی جذبات سے۔

نندینی چٹرجی کی اس موضوع پر ایک اہم کتاب:

Negotiating Mughal Law: A Family of Landlords across Three Indian Empires[۱۲] ہے۔کتاب میں مصنفہ نے دیہی علاقوں سے میسر معلومات کی بنیاد پر مغل عہد کے مالیات اور ٹیکسوں کے نظام کا احاطہ کیا ہے۔کتاب سے اس غلط فہمی کی تصحیح ہوتی ہے کہ مسلم ادوارِ حکومت میں غیر مسلموں سے کوئی اضافی محصولات لیے جاتے تھے۔

محمد شفیع علوی کاکوروی کی کتاب ''مسلمان حکمرانوں کی ہندی قدردانی''[۱۳] میں مصنف نے ہندی تمدن و ثقافت کے نشو و ارتقاء میں مسلمان حکمرانوں کے جاندار کردار کو اجاگر کیا ہے۔اس ضمن میں صوفیاء، علماء، جاگیردار، گورنرز، اور دیگر طبقوں کے مثبت کردار کو نمایاں کیا ہے۔

''ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی میں مسلمان حکمرانوں کی کوششیں''، اس عنوان سے سید سلیمان ندوی نے بہت عمدہ کتاب تحریر کی۔

ہندوستان میں مسلم حکومت

مغل سلطنت کا آغاز 1526ء میں ہوا جب اس کے بانی بابر نے پرانی دہلی سلطنت کے آخری خاندان کا تختہ الٹ دیا۔وہ سیدھا وسطی ایشیا سے، سمرقند اور کابل سے نکلا تھا۔ پہلے پانچ شہنشاہ، وہ حکمران ہیں جن کے بارے میں مغل تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے۔ان میں سے آخری اورنگ زیب ہمیں 18ویں صدی کے اوائل میں لے جاتا ہے۔

اس کی موت کے بعد، 1707 میں، سلطنت نے ایک صدی کے بتدریج زوال کا تجربہ کیا۔ برطانوی حکمرانی کے خلاف 1857ء کی عظیم بغاوت کے بعد جو 1858ء تک کئی طرح سے جاری رہی اور بالآخر اسے باضابطہ طور پر بجھا دیا گیا۔اسی سال ملکہ وکٹوریہ نے مغل ریاست کو باقاعدہ طور پر تحلیل کردیا اور ہندوستان کو برطانوی سلطنت کا حصہ قرار دیا۔لہٰذا، سرکاری طور پر، مغل سلطنت کی تاریخیں 1526 سے 1858 تک پھیلی ہوئی ہیں۔اگرچہ مغلیہ سلطنت کا شاندار دور تو 16ویں اور 17ویں

صدی کے آخر میں، اکبر، جہانگیر اور شاہ جہاں کا دور ہی تھا۔ ان پانچ عظیم شہنشاہوں میں سے آخری عالمگیر کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔

مختصراً، مغلوں نے جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ ''بادشاہوں کے بادشاہ'' یا ''شہنشاہ'' کے اس تصور کو قائم کیا جائے، جو کہ تعریف کے اعتبار سے ایک عظیم سلطنت ہے، نہ کہ محض ایک سلطنت۔ ان کے نیچے بہت سے ماتحت بادشاہ، یا ''راجے'' تھے۔ ان کی بڑی کامیابیوں میں سے ایک راجستھان میں ہندو سلطنتوں کو اپنے سامراجی دائرے میں شامل کرنا تھا۔ اس طرح، ان کی سلطنت ایک عام ''وسط ایشیائی سلطنت'' نہ تھی؛ بلکہ ایک عظیم الشان سلطنت تھی، جو متنوع قسم کی تہذیبوں اور ثقافتوں کے حاملین کو ایک نظام کے تحت لے آئے تھے اور بڑی خوبی سے ان کی صلاحیتوں کو ملک کی تعمیر و ترقی میں صرف کررہے تھے۔۔ پہلے سے موجود راجپوت ثقافت اور فن تعمیر کو اپنے درباری انداز میں ضم کرکے، وہ آہستہ آہستہ ایک ہندوستانی ریاست بن گئے۔

ہندوستان میں انگریزوں کا حکومتی تجربے کا نتیجہ اس کے برعکس تھا۔ اپنے ابتدائی دنوں میں، 17ویں اور 18ویں صدی کے ابتدائی سالوں میں، انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین نے، بنیادی طور پر، مقامی ملازموں کے ذریعے ہندوستانی ثقافت سے جڑنے اور آشنا ہونے کی کوشش کی۔ انگریز اپنی فطری نسل پرستی کی وجہ سے ہندوستان میں اپنی اس روش و عادت سے اپنے آپ کو مکمل طور پر بچا نہ سکے۔

ہندوستان میں برطانوی نوآبادیاتی دور کے دوران، برطانوی مورخین نے ہندوستان میں مسلم حکمرانی کے بارے میں مقامی آبادی خصوصاً ان کی نئی نسلوں کو بدگمان کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ کچھ برطانوی مورخین نے دانستہ بعض مذموم مقاصد کی انجام دہی کے لیے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی عدم برداشت، ہندو مندروں کی تباہی اور معاشی استحصال کی مثالوں کا حوالہ دیتے ہوئے مسلم حکمرانوں کا جابرانہ اور تباہ کن تصور پیش کیا۔ البتہ بعض انگریز مورخ ایسے بھی تھے جنھوں نے مسلم حکمرانی کے ثقافتی اور تعمیراتی ترقی کے اقدامات کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا، جس میں مسلمان حکمرانوں کی طرف سے فن، ادب اور فن تعمیر میں مختلف تمدنوں کی شراکت تھی۔

برطانوی مورخین کے درمیان ایک عام موضوع مسلم حکمرانی کو ایک غیر ملکی تسلط کے طور پر پیش کرنا تھا، جس نے بقول ان کے مقامی ہندو معاشرے اور ثقافت کو درہم برہم کردیا۔ اس نقطہ نظر کو دانستہ اور حکمتِ عملی کے تحت پھیلایا گیا، جس میں ایک مقصد یہ تھا کہ مسلم اشرافیہ اور ہندو اکثریتی

آبادی کے درمیان اختلافات کو زیادہ سے زیادہ ہوا دی جائے۔

جے ایس گریوال Grewal کی کتاب: Muslim Rule in India: The Assessments of British Historians(14) میں اس غیر متوازن تنقید و تجزیے کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ یہ کتاب ہندوستان میں مسلم حکمرانی پر برطانوی مورخین کے جائزوں پر بحث کرتی ہے۔

مسلم اہلِ علم، خصوصاً تاریخ سے شغف رکھنے والوں نے اس خطرناک منصوبے کو کسی حد تک سمجھا اور اس نوع کے لٹریچر کا جواب دینے کی کوشش کی۔

سر سید احمد خان،(۱۵) علامہ شبلی نعمانی(۱۶)، سید سلیمان ندوی(۱۷)، معین الدین ندوی(۱۸)، صباح الدین عبدالرحمان وغیرھم نے اپنے اپنے اسلوب میں مسلمان حکمرانوں کے بارے میں پھیلائی جانے والی ان غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ خصوصاً صباح الدین عبدالرحمان(۱۹) نے اپنی کتب میں مثبت انداز میں مسلمان حکمرانوں کی ہندی تہذیب وثقافت کی آبیاری میں ان کے جان دار کردار کو مستند حوالوں اور کثیر مثالوں سے ثابت کیا ہے۔ ایک مقام پر فاضل مصنف نے لکھا ہے: کہ ''مورخ کی نیت صحیح ہو تو موضوع کتنا متنازع فیہ ہو۔۔۔اس کے روشن پہلو دکھانا کچھ مشکل کام نہیں، کون سی حکومت ہے جو بے داغ رہی ہے؛ لیکن اس کے صرف داغدار پہلوؤں کو پیش کیا جائے تو اس کے اچھے پہلو آسانی سے نظر انداز ہو جاتے ہیں''۔

ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی نے دارالعلوم دیوبند، سہارنپور، یوپی سے فاضل اور افتا (اسلامی فقہ میں تخصص) کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ یوپی کے سنی تھیالوجی کے شعبہ سے ماسٹرز اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ آئی سی سی آر، نئی دہلی کے زیر اہتمام اردو زبان میں بین الاقوامی مضمون نویسی کے مقابلے میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ میں بطور محقق کام کیا۔ مئی ۲۰۱۲ء کو بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات، عالیہ یونیورسٹی، کولکتہ، مغربی بنگال میں تقرر ہوا۔ جون ۲۰۱۴ء سے دسمبر ۲۰۱۵ء اور نومبر ۲۰۱۹ء سے دسمبر ۲۰۲۱ء تک شعبہ کے سربراہ کے طور پر کام کیا۔ ان کی چار عدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں سے دو غیر ملکی بین الاقوامی پبلشرز سے شائع ہوئی ہیں۔ قومی اور بین الاقوامی جرائد و رسائل میں لگ بھگ ڈیڑھ سو سے زائد مقالات اور تحقیقی مقالے شائع ہوئے۔ ۳۵ سے زائد قومی اور بین الاقوامی سیمینارز اور کانفرنسوں میں شرکت کی ہے۔ کشمیر کی سنٹرل یونیورسٹی کے شعبہ تقابلی مذہب میں بورڈ آف سوشل

سائنس میں سبجیکٹ ایکسپرٹ کے طور پر کام کیا۔مغربی بنگال حکومت کے مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے بورڈ کے ممبراور غیر ملکی یونیورسٹیوں کے متعدد جرائد کے مشاورتی بورڈ اور جائزہ کمیٹی کے رکن بھی ہیں۔ انھیں اسلامی فقہ اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے شعبوں میں خصوصی دلچسپی ہے۔

بحیثیت مورخ موصوف تاریخی بصیرت اور تہذیب وتمدن کے مطالعہ کے ساتھ امت مسلمہ کا درد رکھتے ہیں، آپ مسلمانوں کی یک جہتی اور یگانگت کے آرزومند ہیں، آپ تعمیری ذہن کے ساتھ مثبت اقدام کے حامی ہیں، آپ کا یہ رنگ زیرِنظر تصنیف میں نظر آتا ہے، آپ کی نگاہ ہمیشہ ماضی کے روشن پہلوؤں پر رہتی ہے۔

زیرِنظر تصنیف ’’سلاطینِ ہند کی دینی و مذہبی مساعی‘‘ میں مصنف نے ہندوستان میں مسلم سلطنت کے آغاز سے لے کر سلطنتِ مغلیہ کے زوال تک، مسلمان حکمرانوں کے مختصر حالات اوران کے مذہبی وسماجی کارناموں کی مختصر تفصیل دی ہے۔کتاب کے مشمولات سے اس کے بیانات کے اسلوب اور تنوع کا اندازہ کیا جاسکتا ہے،جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ہندوستان میں مسلم سلطنت کا قیام، محمود غزنوی کے حملے کا پس منظر، شہاب الدین غوری کی کامیابی، عہد قطبی کی دینی برکات، شمس الدین التمش کی خداترسی، رضیہ سلطانہ کا حسن تدبر، پاک طینت ناصرالدین محمود، غیاث الدین بلبن کا عہد زریں، جلال الدین خلجی کی دوراندیشی، علاؤالدین خلجی کی اقبال مندی، غیاث الدین تغلق کی دینداری، محمد شاہ تغلق کی فکری صالحیت، فیروز شاہ تغلق کی مساعی جلیلہ، سلطنت دہلی میں بگاڑ کے آثار، بہلول لودھی کی کسرِنفسی، عہدِ سکندرلودھی کی دینی وعلمی رونقیں، اولوالعزم فاتح ظہیرالدین محمد بابر، ہمایوں کی کشمکش اور نامرادی، اکبر کے متضاد رنگ، عہد جہانگیر میں مسلمانوں کی سربلندی، شاہجہان کی دین پروری، حامی اسلام اورنگزیب عالمگیر، اورسلطنت مغلیہ کا زوال۔مصنف نے کتاب کو ابواب وفصول میں تقسیم نہیں کیا ہے؛ بلکہ حکمرانوں کی زمانی ترتیب سے ان کے اسماء کوعنوان بنا کر ضروری تفصیلات ذکر کی ہیں۔

مذکور حکمرانوں کی انتظامی صلاحیت، رعایا پروری، بحرانوں سے نمٹنے، رفاہی کاموں سے دلچسپی، مذہبی رواداری اور تخلیقی روح جیسی صفات کونمایاں طور پر بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس کا اندازہ قائم کردہ عنوانات سے ہی ہوجاتا ہے۔

زیرِنظر تصنیف میں وطن کی محبت اور مذہبی رواداری کے واقعات اور مظاہر کوتاریخ کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔مصنف نے اپنے مثبت تاریخی شعور کا اظہار کیا ہے۔مسلمان

حکمرانوں پر کیے گئے اعتراضات کو پس منظر میں رکھتے ہوئے مذکور حکمرانوں کی شخصی صفات اوران کے ادوارِ حکومت کے سیاسی وانتظامی خدوخال کواس انداز سے بیان کیا ہے کہ ان اعتراضات کے تسلی بخش جوابات مل گئے ہیں۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ مذکور کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ''زیرنظر کتاب اوراس کے مباحث کی اہمیت عصری تناظر میں مزید بڑھ جاتی ہے کہ موجودہ ہندوستان میں مسلم صلاطین ہند کے ادوار کوایک بار پھر تاریخی تناظر میں دیکھا جارہا ہے چھ دسمبر 1992 میں ظہیرالدین بابر سے منسوب بابری مسجد کو یہ کہہ کر شہید کردیا گیا کہ یہ شری رام چندر جی کی جنم بھومی ہے؛ حالانکہ مصنف نے مغلیہ سلطنت کے بانی ظہیرالدین بابر متوفی 1530 کا وہ مکتوب بھی درج کیا ہے جس میں وہ اپنے بیٹے ہمایوں کو ہندوستان میں رعایا کے ساتھ رواداری اوران کے مذہبی عقائد کے احترام کی نصیحت کررہے ہیں اب اسی طرح کے خیالات کا اظہار درگاہ معین الدین چشتی اجمیری اور دیگر معروف مساجد کے حوالے سے بھی کیا جارہا ہے یہ ایک خطرناک رجحان ہے جو سیکولر ہندوستان کو خانہ جنگی کی طرف دھکیلنے کے مترادف ہوگا''۔(ص۱۱)

مصنف نے مسلمان حکمرانوں کے اپنی غیرمسلم رعایا کے ساتھ انصاف اور رواداری پر مبنی رویوں کی کئی مثالیں ذکر کی ہیں۔اس ضمن میں بعض غیرمسلم مورخین جیسے ڈاکٹر تاراچند، ٹی ڈبلیو آرنلڈ، اور آر پی ترپاٹھی وغیرہ کی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔مصنف کی اس نوع کی تحریریں ہندوستان کے متفرق اجزاء کو باہم جوڑنے کی کوشش نظر آتی ہے؛ البتہ مذکور مصنّفین کی کتب سے اصل اقتباسات نقل کرنا زیادہ مفید ہوتا۔مزید برآں صباح الدین عبدالرحمان کی کتابوں میں مذکور عنوان پر قابلِ قدر مواد منتشر اجزاء میں موجود ہے، اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا۔علاوہ ازیں جے ایس گریوال Grewal کی کتاب (۲۰) میں بھی مفید اقتباسات موجود ہیں، جو شاید مصنف کی نظر سے نہیں گذری۔

اندازِ تحریر سادہ اور موثر ہے۔ربط وترتیب اور سلاست وروانی کو ملحوظ رکھا گیا ہے جو پڑھنے والوں کو اس میں بیان کردہ موقف کا قائل کردیتا ہے۔کتاب یقیناً اردو ادب اور تاریخ مسلمانانِ ہند دونوں کی خدمت ہے۔

پاکستان کے ایک معروف اشاعتی ادارے''قرطاس''نے کتاب کو خوبصورت ٹائٹل اور معیاری اوراق پر شائع کیا ہے، جس پر ادارہ اور صاحبِ تصنیف دونوں مبارک باد کے مستحق ہیں؛ امید ہے کتاب عام قارئین، اور اساتذہ وطلبہ سے مزید خراجِ تحسین وصول کرے گی۔

حواشی

(۱) Gem Student Dictionary, English to Urdu, P.211

(۲) فیروز اللغات، اردو جدید۔ لاہور، فیروز سنز

(۳) The Oxford English Turkish Dictionary, P. 253

(۴) Cassell's New German Dictionary, P. 191, 1963

(۵) De Vries and Hochman, French English Dictionary, P. 250

(۶) ناشر ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، سنِ اشاعت: ۱۹۸۲ء، صفحات ۱۵۷

(۷) مطبوعہ الجامعہ پریس دہلی، ۱۹۵۸ء، صفحات ۵۰۹

(۸) اردو اکیڈیمی لکھنو، ۱۹۸۳ء، صفحات ۱۴۶

(۹) احسن برادرز، لاہور، ۱۹۵۷ء، ۸۳۰صفحات

(۱۰) مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۸۳ء، صفحات ۲۰۴

(۱۱) انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، ۱۹۶۲ء، صفحات ۱۵۶

(۱۲) Cambridge University Press, 2020.

(۱۳) سنٹرل لائبریری الہ آباد، ۱۹۸۶ء، صفحات ۲۳۳

(۱۴) Indian Branch, Oxford University Press, 1970 - India - 218 pag.

(۱۵) اس کی مثالیں سرسید احمد خان کی آثار الصنادید اوران کے ''مقالاتِ سرسید'' مرتبہ محمد اسماعیل پانی پتی میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

(۱۶) دیکھیے! کتاب ''معارفِ شبلی'' مرتبہ: ڈاکٹر محمد سہیل شفیق، ناشر قرطاس، کراچی۔ مولفِ موصوف نے علامہ شبلی کے تاریخ کے موضوع پر رسالہ ''معارف'' میں شائع شدہ مضامین کو مرتب کیا ہے۔

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی اس کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: شبلی تاریخ کو ملّی تناظر میں دیکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ''المامون'' کے مقدمے میں لکھا: ''ہندوستان کی بہت سی تاریخیں لکھی گئیں اور مغلیہ وتیموریہ حکومت کے کارنامے بڑی آب وتاب سے دکھائے گئے؛ لیکن ظاہر ہے کہ ہندوستان کی مجموعی تاریخ بھی ہماری قومی تاریخ کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہے''۔ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق یورپ کے کذب وافترا اوران کی تاریخی غلطیوں کا ازالہ علامہ شبلی کی زندگی کا خاص مقصد اور مشن تھا۔ ان کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ وہ جن کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں ان کے پایہ اعتبار واستناد کو پہلے ہی بیان کردیتے ہیں۔ شبلی کے نزدیک مغربی مصنّفین کی غلط بیانیوں کی وجہ تعصب کے علاوہ یہ بھی تھی کہ وہ پرانے زمانے کا مقابلہ جدید دور سے کرتے ہیں؛ حالانکہ یہ ایک غلط اصول ہے، اور مؤرخانہ دیانت داری اور ہمدردی کا تقاضا ہے کہ ہم ماضی کو صرف ماضی کے معیار سے دیکھیں اور ''موجودہ طرزِ سلطنت سے ایشیائی حکومتوں کو نہ ناپیں''۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگ بعض بادشاہوں کے ذاتی افعال کو مذہب کی طرف منسوب کردیتے ہیں؛ حالانکہ یہ انفرادی افعال ہیں جو یورپ کے بادشاہوں سے بھی سرزد ہوتے رہے ہیں۔ ان کے لیے مذہب کو ملزم نہیں قرار دیا جاسکتا۔ دوسرے، شبلی کے نزدیک یورپ کی تاریخ میں ایک بہت بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں راوی کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کی پروا نہیں کی جاتی، بلکہ اگر کوئی ایسا موقع پیش آجاتا ہے تو ہر قسم کی بازاری افواہیں قلم بند کرلی جاتی ہیں جن کے

راویوں کا نام ونشان تک معلوم نہیں ہوتا۔ان افواہوں میں سے وہ واقعات الگ کرلیے جاتے ہیں جو عقل کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔پھر ایک ''کتاب'' یا تاریخ بنالی جاتی ہے اور یہی اصولِ تصنیف ہے جو یورپ کی تصانیف کی بنیاد ہے۔

(۱۷) سید سلیمان ندوی، ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ کے نمایاں پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے بہت اہم منصوبے رکھتے تھے، دارالمصنّفین کے تحت اس موضوع پر مفید کام انہی کے ایما اور نگرانی میں ہوئے۔سید سلیمان ندوی نے علامہ شبلی نعمانی کے قائم کردہ ادارہ ''دارالمصنّفین'' کو عالمی سطح پر متعارف کرایا۔ملک میں اعلیٰ مصنّفین اور اہل قلم کی جماعت پیدا کرنا، بلند پایہ کتابوں کی تصنیف وتالیف اور ترجمہ کرنا، علمی ادبی کتابوں کی طبع واشاعت کا انتظام کرنا، یہ سب دارالمصنّفین کے بنیادی مقاصد تھے، یہ ادارہ اپنے مقاصد کی حصولیابی میں بہت حد تک کامیاب ثابت ہوا ہے۔

(۱۸) دیکھیے، دارالمصنّفین سے تاریخ کے موضوع پر ان کی شائع شدہ کتب۔

(۱۹) سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایک مشہور مؤرخ، قلمکار اور مفکر تھے۔آپ کی زیادہ تر کتابیں ہندوستان میں عہد وسطی سے متعلق ہیں، تاریخ ہند پر آپ کی نگاہ بہت گہری تھی، آپ نے ہندوستان عہد وسطی کی تاریخ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا، اس لیے آپ نے اس دور کے بادشاہوں کی سیاسی، تمدنی، معاشرتی، فوجی کارناموں پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ان کی اکثر کتابیں دارالمصنّفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہیں۔ان کی مشہور کتابوں میں درج ذیل شامل ہیں: بزم تیموریہ، بزم مملوکیہ، بزم صوفیہ، ہندوستان عہد وسطی کی ایک جھلک، ہندوستان عہد وسطی کا فوجی نظام، ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، ہندوستان کے سلاطین علما ء مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، عہد مغلیہ، مسلمان اور ہندو مورخین کی نظر میں، اور ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے، وغیرہ

(۲۰) Muslim Rule in India: The Assessments of British Historians.

❊ ❊ ❊